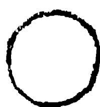
طباعت :- دائرہ الکٹرک پریس حیدرآباد
کتابت :- محمود الحسن کاملی مالیگانوی
تعداد :- سات سو
اشاعت :- نومبر ۱۹۹۳ء
بائنڈنگ :- نظام آباد اردو پریس
قیمت :- بیس روپئے Rs, 20/=00



ملنے کا پتہ
دفتر "گورنج پبلی کیشن"
۲/۳۵-۱-۳ اعظم روڈ نظام آباد
پن کوڈ - ۵۰۳۰۰۱ اے پی

یہ کتاب اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کی جزوی مالی اعانت سے شائع کی گئی

انتساب

شریکِ زندگی کے نام

میری رفاقت نے جسے صبر کا خوگر بنا دیا

بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے



437

میرے ہاتھوں لگ گیا ہے دامنِ صبر و رضا
مجھ کو کیا لینا کسی اقرار سے اِنکار سے
(جمیل نظام آبادی)



"منفرد لہجے کا شاعر"
جمیل نظام آبادی

عصر حاضر کے بیدار اور خود دار ذہن کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے شعوری اور لاشعوری افکار کے اظہار کے ذرائع اور وسائل خود تلاش کرتا ہے۔ زندگی کے ہر پہلو کا جائزہ خود لیتا ہے۔ سماجی خامیوں اور خوبیوں کو سمجھنے جانچنے اور پرکھنے کیلئے خارجی معیار نظر مستعار نہیں لیتا۔ اپنے جذبات، احساسات اور اندرونی و بیرونی کیفیات کا نفسیاتی تجزیہ خود کرتا ہے۔ خود نتائج اخذ کرتا ہے۔ تخیل پر اثر انداز ہونے والے عوامل اور حقائق کی درجہ بندی اور رد و قبول کا نازک و دشوار مرحلہ بھی خود ہی طے کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے حقیقی فنکار میں حقیقت پسندی، راست گفتاری، بے باکی اور صاف گوئی کے اوصاف بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔

وہ اپنے قدیم گراں مایہ ادبی سرمائے سے روگردانی نہیں کرتا۔ اساتذہ و ماہرین فن سے چشم پوشی نہیں کرتا۔ موروثی قدروں کی عزت اور احترام کا جذبہ اس میں ہے۔ لیکن وہ آنکھ بند کر کے ان راہوں پر چلنے کا قائل نہیں جن پر قدماء نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ لہولہان ہوئے ہیں۔ وہ اپنے لئے نئے راستے تلاش کرتا، انہیں ہموار کرتا ہے۔ آگے اور آگے بڑھنے کی ہمت اور حوصلہ رکھتا ہے اسے دوسروں کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چلنے میں لطف نہیں آتا۔ اپنا بوجھ خود اٹھانے میں حظ حاصل ہوتا ہے۔

گذشتہ تین دہائیوں میں جن نقادوں، صحافیوں، ادیبوں اور شاعروں میں یہ بیش بہا جوہر پایا جاتا ہے اُنکی فہرست میں جمیل نظام آبادی کا نام بھی شامل ہے۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں جمیل نے آندھرا پردیش کے شہر نظام آباد کے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی۔ جس میں زندگی کی آسائش اور آرائش کے ذرائع کی فراوانی نہیں تھی۔ جو جسمانی اور خاص طور پر ذہنی نشو و نما کیلئے نہایت ضروری

ہوتی ہے۔ جمیل نے اس ماحول میں صغر سنی ہی سے اپنی شخصیت کو سنوارنے اور نکھارنے کیلئے تگ و دو شروع کر دی۔ ذہانت، خود اعتمادی اور حوصلہ مندی کو راہبر بنا کر اپنے سفر کا آغاز کیا۔ تحصیل علم و ادب کے جذبے نے انہیں تلاش و تجسس کی راہوں کے سپرد کر دیا۔ مسلسل جد و جہد انہیں ان کی منزل سے قریب کرتی گئی۔ انہیں اس مقام تک پہنچا دیا۔ جہاں پہنچنے کے وہ خواہش مند تھے۔ ناسازگار ماحول کو انہوں نے رفتہ رفتہ سازگار بنا لیا۔ بنتے بنتے "**جمیل نظام آبادی**" ایک روشن اور مانوس نام بن گیا۔

ایثار کی حرارت اور وفا کی فطرت نے انہیں اردو کی ترویج و بقاء کے لئے منتخب کر لیا۔ انہوں نے ہر ابتلاء سے خود کو نہایت پر وقار طریقے سے محفوظ رکھا نہایت دیانتداری، خودداری، اور سنجیدگی سے ادبی خدمات انجام دینے میں منہمک ہو گئے انکی ادبی شخصیت کا عکس ۱۹۷۰ء سے مسلسل دانشوروں کی آراء کو متحرک کر رہا ہے۔ وہ زینہ بہ زینہ شہرت کی بلندیوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۱۹۷۳ء میں ادبی جریدہ "گونج" جاری کیا۔ کتابت اور طباعت کے نقائص کے باوجود یہ پرچہ ملک کے گوشے گوشے میں ترتیب کی سلیقہ مندی اور موضوعات کی ہمہ گیری کی وجہ سے مقبول ہے۔

اب تک جمیل کے دو شعری مجموعے "سلگتے خواب" اور "تجدید آرزو" شائع ہوئے مقبول ہوئے اور فروخت بھی ہو گئے۔ یہ میری کم نصیبی ہے کہ میں ان کی زیارت سے محروم رہا۔ اب نہایت آب و تاب کے ساتھ ان کا تیسرا شعری مجموعہ "**صبر جمیل**" منظر عام پر آ رہا ہے۔

اس مجموعہ کی تخلیقات کے مطالعہ سے روشن ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کے تقاضوں اور مسائل کو اپنے اندر سموتے ہوئے اظہار کے وسائل میں فن کی فطری رعنائی کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

جمیل کے شعری پیکر قوت ممیزہ کے مخصوص دریچوں پر خوش آہنگ دستک دیتے ہیں

لاکھ سفر میں تھا میں پھر بھی
اپنے گھر سے دور نہیں تھا

جمیل کے یہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں بھرپور طنز ہے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے نشتر ہیں۔ جو سماجی خامیوں کے جسم پر گہرا زخم اور گہرے نشان چھوڑتے ہیں

رکھنا اسے سنبھال کے ہے قیمتی بہت
بیٹی تجھے خرید کے شوہر دیا گیا

سچا ہوں تو سولی پہ چڑھا دو
دانستہ سچ بول رہا ہوں

ایسا لگتا ہے گلی کوچے بھی مقتل بن گئے
خوں ٹپکتا ہے یہاں ہر سُرخیٔ اخبار سے

اِسی مزاج اور ماحول کے چند اشعار یہ بھی ہیں۔

کیا ہو رہا ہے آج اہنسا کے دیش میں
خنجر دکھا کے خود کو بچانا پڑا مجھے

کوئی اپنا نظر آتا نہیں ہے آج اپنوں میں
کوئی نظریں چراتا ہے کوئی دامن بچاتا ہے

اگر پتھر ہے وہ تو اے جمیل اُس سے یہ کہہ دیجیے
مرا دست ہنر پتھر کو آئینہ بناتا ہے

یہ ایک ایسی سچائی جسے محسوس تو سب کرتے ہیں لیکن اظہار کی قدرت اور صلاحیت کسی کسی میں ہوتی ہے۔ خوابیدہ جذبات اور احساسات کو بیدار کرنے والے اشعار جمیل کی شناخت ہیں

زندگی کی تلاش میں گم ہوں
زندگی مجھ کو ڈھونڈتی ہوگی

ان کی شاعری میں تہہ داری، ہمہ گیری جدت اور ندرت الیسے اوصاف ہیں جو قاری کو متحیر ہی نہیں کرتے - بلکہ اس کے جذبات کو متحرک کر دیتے ہیں فعال بنا دیتے ہیں۔ غزلیہ شاعری میں یہ تاثر، زور، اور اثر برسوں کی ریاضت اور مشق کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

کبھی گرداب اور طوفان دیتے ہیں سہارے بھی
کبھی کشتی ڈبو دیتے ہیں دریا میں کنارے بھی

ٹوٹنے پر میں دل کے کیا لکھتا
تھا مقدر کا حادثہ لکھا

اک لہر بھی اٹھی تھی ڈبونے کے واسطے
وہ لہر ہی کنارے پہ پہنچا گئی مجھے

جمیل کی شاعری میں جہاں جدید لہجہ متاثر کرتا ہے وہیں ان کی شاعری کا روایت سے ہم آہنگ پہلو غزل کی معنوی رنگینی اور روشنی بکھیرتا نظر آتا ہے ان کے یہاں ہجر و وصال، نالۂ شب گیر سب کچھ ملتا ہے وہ حسن و عشق کے رموز کی عکاسی اور ترجمانی نہایت مہذب انداز میں کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اشعار میں ترسیل کا حق بخوبی ادا کیا ہے۔ داخلی پہلو - اشعار کے صد رنگ تھا کے ان کے محسوسات اور جذبات کو خوشگوار معنوی رشتوں سے منسلک کرتے ہیں ماضی کی خوبصورت یادوں اور یادوں کے لمس کو آمیز کرنے کا ہنر انہیں آتا ہے

آپ ہی نے نزدیک نہ جانا آپ سے میں تو دور نہیں تھا

آئی جو ان کی یاد تو مہکا گئی مجھے خوشبو تھی خود جو بکھری تو بکھرا گئی مجھے

تم سمجھتے ہو کہ میں دور بہت ہوں تم سے
تم مرے دل میں ہو مستور تمہیں کیا معلوم

"صبر جمیل" میں غزلیات کے دوش بدوش جدید تاثراتی نظمیں بھی ہیں۔ "المیہ" "کھوج" "تمہارے نام" اور "شریک زندگی" فکر انگیز شعری پیکر ہیں۔

جمیل کے شگفتہ اشعار کی خوشبو صرف ارض دکن تک ہی محدود نہیں ہے اسکی پرواز کا دائرہ لامحدود ہے۔

جمیل کی شاعری فنی اقدار کا ایک حسین گلدستہ بھی ہے اور عصری شاعری کا دلکش منظر نامہ بھی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ "صبر جمیل" سے ان کے جو خواب وابستہ ہیں وہ تعبیر کے سبزہ زار تک ضرور پہنچیں گے۔

اختر نظمی

۲۰؍ اگست سنہ ۱۹۹۳ء

ڈاکٹر اختر نظمی
سابق صدر شعبۂ اردو
گورنمنٹ کملا راجہ۔ پی۔ جی۔ گرلز کالج
گوالیار ۴۷۴۰۰۱
فون نمبر 326505

صبیحِ جمیل کے بارے میں

شاعری میں اثر آفرینی کمیت سے زیادہ کیفیت سے متعلق ہے
اور یہ خاصیت غزل گوئی سے صاف جھلکتی ہے۔ بلاشبہ ہماری غزل صنفی اعتبار
سے شاندار روایات کی حامل ہے۔ اس کا لب و لہجہ مختلف ادوار میں رونما ہونے
والی تبدیلیوں کے باوجود اپنے کلیدی وصف 'اثر انگیزی' کشش و جاذبیت سے
دور نہیں ہوا۔ دراصل غزل انسانی تجربات و مشاہدات کے ساتھ ساتھ جذبات
و احساسات کی عینی گواہ ہے۔ بلکہ وہ دانستہ و شعوری طور پر اسکی تصدیق بھی کرتی ہے۔
اسکے طرزِ اظہار میں دردمندی، انسانیت، محبت و خلوص، اخلاق و خودداری، سوز
و گداز انفس و آفاق کے مسائل سے گفتگو ہوگی۔ اس میں تخیل و ادراک کے علاوہ
فلسفیانہ اور مذہبی اقدار کی گنجائش بھی ہے۔ ان باتوں کیلئے جس معیار اور انفرادیت
کی ضرورت ہوگی۔ وہی غزل کا انداز ہے۔ ہیئت اور اسلوب کی ندرت، تازگی،
جدت کی تلاش و جستجو شاعر کا تخلیقی جوہر رنگ و آہنگ گہری شناسائی و معنویت
بھی کچھ غزل سے عبارت ہے۔

ہمارے ہاں شاعری میں غزل کو بڑی ترقی و عروج حاصل ہوا۔ اور
خدا جھوٹ نہ بلوائے تنزل بھی کچھ کم نہیں ہوا۔ غزلیں، جدید غزل، اینٹی غزل،
آزاد غزل، اور کیا کچھ نہیں۔ روایات کی روشنی میں غزل کو غزل کو کہنا کس قدر
آسان و سہل ہے۔ لیکن بدلتے رجحانات اور میلانات موضوعات و لفظیات کی فراوانی
و کثرت کے لحاظ سے غزل کا ادبی رنگ کیا ہے وہ بجائے خود ایک موضوع
اک عنوان ہے۔ تاہم غزل غزل ہے۔ جو اب صوتی رنگ و آہنگ و اجزائے
ترکیبی تیز ہٹی خوبیوں ندرت تراکیب کے ساتھ انسانی دل و دماغ بلکہ روح
کو تسکین و آسودگی اور لذت سے ہمکنار کرتی ہے۔ اور یہی حسیت صحت
مند اثباتی تفکر ایقان و بھرپور رعنائی کے ساتھ رواں دواں بھی، غزل کی ریزہ کاری
ہی اسکی دائمی حیات دوامی شہرت اور بقاء کی ضامن ہے۔ جس میں نغمۂ انسانیت

کو جمیل امن و آشتی یکجہتی و روا داری بھائی چارگی اور اخلاص و ادراک
لطافت و شگفتگی ہی نہیں غمِ جاناں اور غمِ دوراں بھی ملیگا۔ بالفاظِ دگر غزل
گوئی شائستگی و دل آویزی کی ترجمان جدت و ترقی پسندی کی خوگر ہے۔

شاعری خصوصاً غزل گوئی کے بارے میں اس اظہارِ واقعی کی ضرورت
یوں محسوس ہوئی کہ زیرِ نظر انتخابِ شعری "صبرِ جمیل" بھی ایک ایسے ہی
شاعر کا کارنامہ ہے جس کی شخصیت اپنے ہمہ جہت پہلوؤں سمیت نئی نسل کی نمائندگی
کرتی ہے۔ میری مراد صبرِ جمیل کے حامل عبدالباری جمیل نظام آبادی سے ہے۔ یہ اُن
نوجوان شعراء میں شامل ہیں۔ جنہوں نے اردو زبان و ادب کے فروغ کیلئے
اپنی تمام تر صلاحیتوں کو وقف کر دیا ہے۔ میرا ان سے تعارف عرصہ پہلے اس وقت
ہوا۔ جبکہ میں محض ایم اے عثمانیہ کا طالب علم تھا۔ اور جمیل نظام آبادی کے مربی
سرپرست استاد محترم مغنی صدیقی کے زیرِ ادارت ماہنامہ "آب و آتش"
(نظام آباد) میں اپنی طالب علمانہ کاوشیں پیش کرتا تھا۔ مغنی صدیقی ایک
سلجھے ہوئے کہنہ مشق صحافی و شاعر تھے۔ جمیل نے اپنے استاد سے بھرپور استفادہ
و اکتساب کیا۔ اور شفیق استاد نے بھی شاگردِ رشید کی استعداد و انہماک کو دیکھ
کر اپنا سب کچھ اسے سونپ دیا۔ مجھے اچھا یاد ہے کہ جمیل نے مغنی صدیقی کی ایماء
اور اُن کی رہنمائی میں ہفتہ وار "گونج" جاری کیا۔ جو آج بھی پوری توانائیوں
اور تابناکیوں سے جاری و ساری ہے۔ گونج کے قابلِ قدر لکھنے والوں میں
صرف اضلاع آندھرا پردیش کے شاعر و ادیب ہی نہیں۔ بلکہ ہندوستان بھر
کے نامی گرامی اہلِ قلم شامل ہیں۔ جمیل نظام آبادی نے گونج کی وساطت سے
زیادہ اپنی ذاتی قابلیت اور دلچسپی سے شاعرانہ بلندیوں کو چھونے
کی سعی و قوف کی ہے۔ تب ہی تو وہ صبرِ جمیل سے قبل "سلگتے خواب"
اور "تجدیدِ آرزو" جیسے حسین مجموعوں سے داد و تحسین بے شمار کے
مستحق ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ دنیائے علم و ادب کی ایک اہم تہذیبی و ثقافتی
ڈائرکٹری "Who's Who" میں بھی اپنا مقام بنالیا۔ دراصل
شاعری انسانی حیات و ممات کے سلسلے میں کسی بھی نظریے سے بلند ہو کر زندگی
کے بارے میں انسانی شعور کے تمام اُفقی اور عمودی سمتوں کی جانب اشارے
کرتی ہے۔ جس میں فطرت سے مطابقت پیدا کر کے کھرے کھوٹے میں
امتیاز کرنے کا سلیقہ ملتا ہے۔ اس میں لطافتیں رنگینیاں معاشی کیفیات
سیاسی حالات سکون و اضطراب کیا کچھ نہیں۔ واضح رہے کہ انسان پیدائش

کے بعد سے مرنے تک عمل سے ہی دوچار رہتا ہے اور یہ عمل مسلسل ہے اس کا لمحہ بھی رکنے والا نہیں۔ امید و ناامیدی خوف و جرأت، روشنی و تاریکی جذبات و بے حسی شعور اور بے شعوری سبھی کچھ ایک کل کی صورت سے اُجاگر ہوگا۔ اسی میں جد و جہد کے امکانات و رجحانات ارتقاء یا فروغ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ادب یا شاعری کے حوالے سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ غور و فکر کے علاوہ ذہین افراد نظم و نثر کو تفریح و لطف سے زیادہ مسرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اس میں زندگی کی تکمیل جمال کی معنویت و اہمیت صاف دکھائی دے گی۔ چنانچہ ہمارا شاعر و ادیب جو ایک عام آدمی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارے معاشرے و سماج کا فرد ہوتا ہے۔ اسکے اپنے ذاتی غم اور دکھ بھی ہوتے ہیں۔ وہ بھی ناآسودگیوں کا شکار اپنی پسند یا خواہش کی زندگی گذارنا چاہتا ہے۔ اپنے تمام احساسات کو تحقیق شعر و ادب کے سہارے پیش کرنا چاہتا ہے۔ اس دشواری پر نظر رکھنے کیلئے اسے بصارت سے کہیں زیادہ بصیرت فکر کی جولانی سے کام لینا پڑتا ہے۔ گویا زندگی کے ان تجربات کو جس کا ہر شعبہ حیات سے تعلق ہے۔ اظہار کرنا آج کی شاعری کا خاصہ ہے۔ اور جمیل نظام آبادی کی شاعری کو میں خلوص و دیانت اور انسانی رشتوں سے مربوط اعتقاد کی شاعری سمجھتا ہوں۔

جمیل نے دانستہ طور پر احساس و فکر کے ساتھ اپنے اطراف و اکناف کی منفی و مثبت قوتوں کا ادراک کروایا ہے۔ انکے کلام میں ذوق جمال، جذبۂ شوق تعمیر انسانیت بہ دوش بدوش اخلاقی روایات حسن و عشق کی صداقت اسکی متنوع وسیع حیثیت کے خط و خال صاف نظر آتے ہیں انہوں نے نئے نئے تجربے محض اس لئے نہیں کئے کہ اسکے ذریعے وہ اپنی شخصیت میں حیرت زائی کی کیفیت پیدا کریں۔ بلکہ اُن کی نظر بہ آن بدلتی ہوئی زندگی کی قدریں اسکی مختلف جہتوں کے نوعیت پر ہوتی ہیں۔ ان کے اشعار میں گہری فنی ادبی چاشنی کے علاوہ آفاقی ہوتی ہیں۔

اور کیا لکھتا اپنے شعروں میں
روز اک تازہ واقعہ لکھا

دیکھو ہمارے جلنے کا ہوگا کوئی سبب
جلتے نہیں جہاں میں کبھی بے سبب چراغ

جس نے انگارے بچھائے مری راہوں میں جمیلؔ
وہ کوئی غیر نہ ہوگا مرا اپنا ہوگا!!!!

پڑھنے لگے ہیں لوگ ہمیں سر سے پاؤں تک
ہم آدمی کہاں رہے اخبار ہو گئے

مرحلوں پر مرحلے در مرحلے اچھے لگے
ہم سے ملنے جو بھی آئے حادثے اچھے لگے

سچی باتیں بول رہا ہوں
وقت کی گرہیں کھول رہا ہوں

جمیلؔ کے ہاں اسلوب و اظہار کے اعتبار سے جو میلانات سامنے آتے ہیں وہ کم وبیش ہماری معاشرتی زندگی تہذیبی و ثقافتی علامتوں کی نشاندہی ہے۔ ماضی قریب میں جن شعراء نے ترقی پسندی کے رجحانات کی آبیاری کی۔ اُن کی ایک خاص ڈگر خاص نوعیت یا طرز فکر و ہیئت تھی۔ مگر جلد ہی ترقی پسندی نے اس رومانیت سے گریز کیا۔ جس کے موضوعات ایک طرح سے محدود ہو گئے تھے۔ تب ہی تو انہوں نے جدیدیت یا حسّیت کے عنوان سے اپنی شاعری کی بساط بچھائی۔ ترقی پسند شاعری اور جدید شاعری کی تقسیم بھی کچھ اسقدر میکانکی انداز سے ہوئی کہ ہم لوگ سیاسی اور جنسی مسائل لکھنے والوں کو ترقی پسند کہہ اُٹھے اور دیگر مسائل حیات پر یا اجتماعی جذبات واحساسات کی ترجمانی کرنے والوں کو جدید۔ جن کی شاعری میں نئے نئے تجربات اور تخلیقات کی صورت گری ہو۔ جمیلؔ نے اپنی شعری صلاحیتوں کو کسی تحریک سے متأثر کئے بغیر ان روایات سے استفادہ کیا جو نئے اسالیب و اظہار کی جستجو کے امین تھے جمیل نے فرد کی داخلی زندگی کے پیچیدہ اور متنوع مسائل اس کے مزاج عشق اور مذاق حسن کو بھی برتا اور اُن بنیادی حقائق پر غور و خوض کیا۔ جس میں تہذیب کی پرچھائیاں وقت کے بے رحم ہاتھوں خیر و شر کی معرکہ آرائیاں روشنی و تاریکی کا تصادم ظاہر و باطن کی کشمکش خواب و حقیقت کی پیکار۔ یاس و اُمید کی رزم آرائی نیز ماحول و زمانہ کی بدلتی قدریں سبھی کچھ شامل ہے۔ غزل جمیلؔ کی محبوب صنف سخن ہے۔ گو انہوں نے نظمیں بھی لکھی ہیں۔ بلکہ ثلاثی وغیرہ بھی۔ ان نظموں میں شاعر نے براہِ راست یا بیانیہ پیرایہ اختیار کرنے کے بجائے علامتی اسلوب کو اپنایا ہے۔ اس لئے

ان کی نظمیں رنگ و آہنگ دور رس نتائج اور وسیع تر مفہوم سے بھرپور معنویت کی جانب توجہ مبذول کرا لیتی ہیں۔ جیسے نظم "المیہ" دیکھیئے

کوئی تو آئے گا
مجھ کو سمیٹے گا اور مجھ کو بند کر دے گا
مرے ہی خول کے اندر

O

مری سانسیں جو میرے اپنے اندر سے نکلتی ہیں
مجھے بھی ساتھ لے جاتی ہیں باہر
ہواؤں میں خلاؤں میں
گلی کے موڑ پر
چوراہے کے چاروں ہی رستوں پر
بکھر جاتا ہوں میں ہر سمت
کھو جاتا ہوں راہوں میں
میں خالی خول ہو جاتا ہوں باقی کچھ نہیں رہتا
یہی ہے المیہ میرا

O

میں اپنے آپ میں گھٹ کر کہیں مر ہی جاؤں
یہی تو سوچ رہتی ہے مجھے اکثر
سمٹنے کا عمل بہتر ہے یا مرے بکھرنے کا
ذرا تم بھی تو سوچو !!!!

یا پھر نظم "سمندر اور میں" کا یہ بند جو اپنی محدود وسعتوں سے نکل کر لامحدود فضاؤں کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

اُس کے سینے میں کئی راز چھپے دیکھے ہیں۔
اُس کے ہونٹوں پہ بھی اک گیت ہے ہلکا ہلکا
اس آنکھوں میں بہت لنذ بہت تیزی ہے۔
اس نے بھی دیکھا ہے میری ہی طرح دنیا کو
میں بھی چپ چاپ ہوں اور وہ بھی تو کچھ کہتا ہے۔
اس کے بھی پاؤں مرے پاؤں سے ہیں تھکتے نہیں
ہر طرف گھومتے رہتے ہیں بھٹکتے ہی نہیں
میں نے دیکھا ہے سمندر کو سمندر بن کر

میرے خیال میں جمیلؔ کے ہاں فنِ اظہار، مواد سے اثر پذیر ہوتے
ہوئے اپنی ایک مستقل حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس میں انتشار اور بحران نہیں
بلکہ وہ ایک حساس اور بالغ نظر شاعر ہونے کے ناتے انسانی معاشرے میں رونما ہونے
والی کیفیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور اپنی شعر گوئی کے ذریعے اسکا ادراک و شعور
بھی اور یہ سارے موضوعات، زبان و اسلوب، احوال و مشاہدات، صعود و نزول کے
مراتب ہیں۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ جمیلؔ اپنی فکر و فن کے ذریعے ناموری
کے اس درجے پر فائز ہیں۔ جہاں فنکار (شاعر و ادیب) کسی طور رفتادگی و
شکستگی کا شکار نہیں ہوتا۔ اسکے برخلاف وہ اپنے اشارہ و ایماء تشبیہ و استعارہ
کی وساطت حقائق تو واشگاف کرنے میں مسرت و طمانیت محسوس کرتا ہے۔ اور یہی
اس کی کامیابی و کامرانی ہوگی۔

عبارت مختصر، صبرِ جمیل میں ایسے کئی اشعار پڑھے جاسکتے ہیں
جس سے میرے اس خیال کی توثیق و تائید ہوتی ہے۔ آخر میں صبرِ جمیل کی اس
خوبصورت اشاعت پر دلی مبارکباد دیتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ اردو
زبان و ادب کی پزیرائی کے اس غیر یقینی حالات میں صبرِ جمیل کی زیادہ سے زیادہ
داد دی جائیگی۔ اپنی اس گفتگو کو جمیل ہی کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

شعر
تیرے قربان جمیلؔ حزیں اے اردو زباں
تری اُلفت سے زمانے میں ہے شہرت میری

ڈاکٹر عقیل ہاشمی
(ریڈر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ)
سرفراز منزل
3-5-780-18-4-A
کنگ کوٹھی۔ حیدرآباد

احوالِ خود

میں اپنا تیسرا شعری مجموعہ "صبحِ جمیل" قارئین کی خدمت میں
پیش کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ قبل ازیں میرے دو شعری مجموعے
"سلگتے خواب" ۱۹۷۸ء میں اور "تجدید آرزو" ۱۹۸۵ء میں شائع ہو کر پذیرائی حاصل
کر چکے ہیں۔ گزشتہ ۲۳ برسوں سے اُردو شعری و ادبی حلقے اور اُردو والے جس طرح
حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں اور میرے ان دونوں شعری مجموعوں کو قبولیت کی
سند عطا کی ہے۔ اُمید ہے کہ وہ آئندہ بھی میری حوصلہ افزائی کریں گے۔ اور میرے
اس تیسرے شعری مجموعہ کو بھی شرفِ قبولیت بخشیں گے۔

اپنے تعارف میں میں بس اتنا ہی کہوں گا کہ میرا نام
عبدالباری ہے۔ میں ۱۹۲۹ء میں نظام آباد کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوا۔ میٹرک
کامیاب کرنے کے بعد غمِ روزگار سے برسوں آنکھ مچولی چلتی رہی لیکن اس دوران
میں نے جب بھی موقع ملا تعلیم کے سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ اور ایم۔اے
تکمیل کر لی۔ اور اب اللہ کی مدد شاملِ حال رہی تو پی۔ایچ۔ ڈی۔ کی تکمیل
بھی ہو ہی جائیگی۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے علاوہ گزشتہ ۲۰ برسوں سے ملک
و بیرونِ ملک کے بیشتر ادبی جرائد میں میرا کلام شائع ہو رہا ہے۔ ملک کے مختلف
شہروں کے بے شمار مشاعروں میں شریک ہونے اور کلام سنانے کے مواقع بھی ملے
ہیں۔ کئی ادبی انجمنوں سے تعلق بھی رہا ہے۔ کچھ ایوارڈز بھی پائے ہیں۔

میرا تذکرہ ایشیا کے اہم اشخاص کے سوانحی حالات مرتب
کرنے والی ایک اہم انگریزی کتاب "ہو از ہو" میں بھی شامل ہے۔

اس موقع پر اس بات کا اعتراف بھی ضروری ہے
میرا گھرانہ شعر و ادب سے کوسوں دور تھا۔ نظام آباد کے شعری و ادبی ماحول نے
مجھ میں یہ ذوق پیدا کیا۔ اور حضرت مغنی صدیقی مرحوم کی اُستادانہ شفقت
اور رہنمائی نے میرے ذوق کو نکھارا۔ میرے فن کو راستہ دکھایا۔ اور میرے

نے ۱۹۷۰ء میں اپنے شعری سفر کا آغاز کیا۔ ۱۹۸۴ء میں جب حضرت مفتی صدیقی
انتقال فرما گئے تو میں یکا و تنہا ان سنگلاخ زمینوں پر آگے بڑھنے کی سعی
و جد و جہد میں مصروف ہوں۔ اپنی اس کوشش میں میں کہاں تک کامیاب
ہوں۔ اور کن کن موڑوں پر مجھ سے لغزشیں سرزد ہوئیں۔ اس کا فیصلہ
قارئین خود کریں گے۔

اس مجموعہ کی اشاعت میں اردو اکیڈمی آندھرا پردیش کی
جزوی مالی اعانت بھی شامل ہے۔ اس لئے اردو اکیڈمی کا شکریہ ادا کرنا میری
اخلاقی ذمہ داری ہے۔ محترم ڈاکٹر اختر نظمی سابق صدر شعبۂ اردو گوالیار
اور محترم ڈاکٹر عقیل ہاشمی ریڈر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد نے میرے کلام پر اپنی قیمتی رائے لکھ کر اسکی توقیر بڑھائی ہے۔
میں اپنے ان دونوں کرم فرماؤں کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

جناب محمود الحسن کاملی (مالیگانوی) نے میرے اس مجموعہ
کی کتابت نہایت محبت اور خلوص سے کی ہے۔ میں ان کا بھی ممنون ہوں۔

آخر میں میں تمام قارئین سے بھی التماس کروں گا کہ وہ
اپنی قیمتی آراء سے مجھے نوازیں۔ تاکہ میں اپنے اس شعری سفر میں آگے بڑھتے ہوئے
ان کے مشوروں کو مشعل راہ بناؤں۔

جمیل نظام آبادی ایم اے

نعت پاک

شکر ہے تیرا خدایا کملی والے ہیں میرے
میرے ملجا میرے ماوی کملی والے ہیں میرے

ہے شرف مجھ کو غلامی کا شہہ ابرار کی
میرے مولی میرے آقا کملی والے ہیں میرے

حشر کے دن فکر کیا ہے دھوپ کی اور پیاس کی
کملی والے کا سہارا کملی والے ہیں میرے

میں نہیں آوارہ مسلک میں نہیں بے آسرا
سر پہ ہے رحمت کا سایہ کملی والے ہیں میرے

فکر دنیا کیا کروں میں فکر عقبیٰ کیا کروں
میری دنیا میری عقبیٰ کملی والے ہیں میرے

گردش دوراں اسی میں خیریت ہوگی تیری
سامنے سے میرے ہٹ جا کملی والے ہیں میرے

میں چلا جاؤں گا طیبہ نعت گوئی کے طفیل
آئے گا مجھ کو بلاوا کملی والے ہیں میرے

اب نہیں مجھ فکر بخشش کی مجھے مطلق جمیلؔ
قبر ہو یا حشر ہر جا کملی والے ہیں میرے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعت مقدس

بہ بارگاہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

فقط میں نہیں آپ پر یا محمد! صلی اللہ علیہ وسلم
ہے قرباں میرا گھر کا گھر یا محمد! صلی اللہ علیہ وسلم

بلا لیجیے اپنے در یا محمد! صلی اللہ علیہ وسلم
ہو در آپ کا میرا سر یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بلاتے اگر سر کے بل چل کے آتا
میں اڑ آتا ہوتے جو پر یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

خدا کی قسم! آپ بعد از خدا ہیں
بشر میں بھی خیر البشر یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بجز آپ کے میرا دنیا میں کیا ہے؟
میری زندگی ہے اگر سو یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

یقیناً نہ فرعون غرقاب ہوتا!!!!!
زباں سے جو کہتا اگر یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جمیل حزیں پہ نگاہ کرم ہو
وہ قطرہ ہے کیجیے گہر یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بول جو میٹھے بول رہا ہوں
منہ میں مصری گھول رہا ہوں

سچی باتیں بول رہا ہوں
وقت کی گرہیں کھول رہا ہوں

چاہو تو سولی پہ چڑھا دو
دانستہ سچ بول رہا ہوں

دور نہیں ہیں چاند ستارے
اُڑنے کو پر تول رہا ہوں

جب سے اُن سے آنکھ لڑی ہے
مستی میں یوں ڈول رہا ہوں

تیری یاد کی کھڑکی کے پٹ
دھیرے دھیرے کھول رہا ہوں

میں بھی ہوں سودائی دیکھو!!!!!
اپنے لئے غم مول رہا ہوں

علم و فن کے ہیرے موتی
میں بھی جمیل اب رول رہا ہوں

نہ ساتھی بات کرتے ہیں نہ رہبر بات کرتے ہیں
مسافر سے فقط رستے کے تیور بات کرتے ہیں

تری یادوں سے ہم بھی ایسے اکثر بات کرتے ہیں
محبت کرنے والے جیسے چھپ کر بات کرتے ہیں

تمہارے سامنے کچھ بول دیں ممکن نہیں ہم سے
تصور میں مگر ہم تم سے کھل کر بات کرتے ہیں

زباں تو مصلحت بردوش ہے خاموش رہتی ہے
جو سر کٹ کر گر پڑیں دھڑ سے وہی سر بات کرتے ہیں

یہ آئینے تو آئینے ہیں ان کی بات ہی کتنی
ہمارے ہاتھ آجائیں تو پتھر بات کرتے ہیں

کہا کرتی ہے کیا ان سے خموشی دشت و صحرا کی
دوانوں سے نہ جانے کیا یہ منظر بات کرتے ہیں

زمانہ دیکھتا ہے رشک سے میری طرف ناصح
میری تشنہ لبی سے جب بھی ساغر بات کرتے ہیں

نہیں ہے فرق چھوٹے کا بڑے کا اپنی نظروں میں
کوئی ملتا ہے ہم سے ہم برابر بات کرتے ہیں

جمیل اصحاب کربل کی عنایت کا تصدق ہے
ہماری پیاس کے آگے سمندر بات کرتے ہیں

میں اگر چپ بھی رہوں تو مسئلہ ہو جائے گا
اور اگر کچھ بھی کہوں تو جانے کیا ہو جائے گا

یہ نہ سمجھا تھا کہ ایسا واقعہ ہو جائے گا
میرے غم سے یہ زمانہ آشنا ہو جائے گا

لاکھ کوشش آپ کیجئے لاکھ کیجے احتیاط
حادثہ ہونا اگر ہے حادثہ ہو جائے گا

میرا دل معصوم بچے کی طرح ہے دوستو
آپ اسے اپنائیں گے تو آپ کا ہو جائے گا

میرے سینے میں رہیگا دل تو ہوگا گھر ترا!!
تیری راہوں میں اگر رکھوں دیا ہو جائے گا

بس اسی اُمید پر ہم جی رہے ہیں زندگی
زندگی تجھ سے کسی دن رابطہ ہو جائیگا

مجھ کو اس کا خوب اندازہ تھا ایک دن آئیگا
میرا اپنا بھائی بھی دشمن میرا ہو جائے گا

آپ کے حق میں یہ بہتر ہو تو ہو لیکن جمیل
ہاتھ میں آتے ہی میرے آئینہ ہو جائے گا۔

خود داریوں کو بھول گئے خوار ہو گئے !!!!
ہم خود فریبیوں میں گرفتار ہو گئے

اب کس سے کیجیے شکوہ جفاؤں کا جور کا !
جتنے تھے غم نواز وہ غم خوار ہو گئے

ہم کو وفا پرستی کا انعام مل گیا !!
ٹھہرے ہدف جو ہم تو وہ تلوار ہو گئے !

اُٹھے قدم جہاں بھی مرے راہِ شوق میں
کچھ لوگ اُٹھ کے راہ کی دیوار ہو گئے !

پڑھنے لگے ہیں لوگ ہمیں سر سے پاؤں تک
ہم آدمی کہاں رہے اخبار ہو گئے !!

ہم پر بھی اک نگاہِ کرم رحمتِ تمام
ہم کتنی دور آپ سے سرکار ہو گئے

اپنوں کے بیچ رہ کے بھی ہے اجنبی جمیل
رشتے ہوئے کہ راہ کی دیوار ہو گئے

یادوں سے تیری زخمِ محبت ہرا رہے
اچھا ہے میرے سینے سے ہر غم لگا رہے

ہوتا رہے کسی نہ کسی طرح ذکرِ دوست
میں چپ رہوں تو زخمِ وفا بولتا رہے

تشنہ لبی کو میری نہیں اس سے واسطہ
ساقی شرابِ ناب اگر بانٹتا رہے

کشتِ حیات لٹ بھی گئی ہو تو غم نہیں
اُلفت کو بانٹنے کا یہی سلسلہ رہے

تم نے جمیل خوب کیا مسکرا پڑے
اخفائے غم کو کچھ تو میاں آسرا رہے

درد کی آگ میں تپنے دے نکھر جانے دے
شخصیت کو مری کچھ اور سنور جانے دے

غم کا طوفان جو آیا ہے گزر جانے دے
ابھی چڑھتا ہوا دریا ہے اُتر جانے دے

میں بتاؤں گا اُجالوں کی حقیقت کیا ہے
رات ڈھل جانے دے سورج کو اُبھر جانے دے

دل کی توقیر بڑھا دیتا ہے غم اوروں کا !!!!
درد کو غم کو ذرا دل میں اُتر جانے دے

ٹھوکروں میں رہوں پتھر کی طرح ناممکن
میں ہوں خوشبو مجھے اُڑنے دے بکھر جانے دے

نور برساتا ہوا چاند نکل آئے گا !!-!!-!
آسماں سے ذرا سورج کو اُتر جانے دے

یاد ہے درد ہے غم ہے کہ محبت ہے جمیل
منتظر کوئی مرا ہے مجھے گھر جانے دے

میرے حق میں یہی بہتر ہے تو بہتر کر دے
دل میرا موم کا ہے تو اِسے پتھر کر دے

میں اکیلا ہوں اندھیروں کے مقابل کب سے
میرے پیچھے بھی کوئی نور کا لشکر کر دے

تو نہ چاہے تو سمندر بھی بجھا پائے نہ پیاس
تو اگر چاہے تو قطرہ کو سمندر کر دے

عشق کے کھیل میں تو ہار دے دنیا اپنی
زندگی اپنی محبت پہ نچھاور کر دے

جس کے نغموں میں محبت کی فراوانی ہے
مجھ کو دنیا میں خدا ایسا سخنور کر دے

میں بھی تیرا ہوں مجھے دور نہ کر رحمت سے
جن کو تو چاہتا ہے اُن کے برابر کر دے

جب گھٹن سی ہوتی ہے دلدلوں کی بستی میں
دل اڑا کے لے جائے بادلوں کی بستی میں

خامشی کا پہرہ ہے پائلوں کی بستی میں
لَے کو دل ترستا ہے کوئلوں کی بستی میں

آپ کو تو دعویٰ تھا اپنی ہوشمندی کا !!!
آپ کیسے در آئے پاگلوں کی بستی میں

یہ سکوت بوجھل سا دل پہ بوجھ لگتا ہے
جا کے گھر بسا لیں اب زلزلوں کی بستی میں

دل کی وحشتیں کیا ہیں پوچھیئے اسی دل سے
جس نے رات کاٹی ہے آنچلوں کی بستی میں

بچ کے زور طوفاں سے لڑ کے تیز دھاروں سے
آخرش پلٹتا ہے ساحلوں کی بستی میں !!!

ہائے کیا غضب ہے یہ کیسا دور آیا ہے
راج ہے اندھیروں کا مشعلوں کی بستی میں

دن تو خیر جیسے کچھ ریگ زار میں گذرا !!!
رات سر پہ آتی ہے قاتلوں کی بستی میں

یہ ہوا تو شہروں میں آگ سی لگاتی ہے
چل جمیل بس جائیں جنگلوں کی بستی میں

خود کو جمیل سامنے لانا پڑا مجھے!
غدّار کون ہے یہ بتانا پڑا مجھے

کیا ہو رہا ہے آج اہنسا کے دیس میں
خنجر دکھا کے خود کو بچانا پڑا مجھے

پتھراؤ ہر طرف سے تھا مجھ ناتوان پر
پتھر کے پیچھے خود کو چھپانا پڑا مجھے

بارود ہی کے ڈھیر پہ بیٹھے ہیں ہم سبھی
یہ بات آج سب کو بتانا پڑا مجھے!

تجھ کو بنانے تجھ کو جلانے کے واسطے
خود کو بنانا خود کو جلانا پڑا مجھے!

دانشوروں کے بیچ میں میں جب سے آگیا
دیوانگی کو اپنی چھپانا پڑا مجھے!!!!

رکھنا تھا دوستی کا بھرم دوستوں کا دل
اِلزام سب کے سر پہ اُٹھانا پڑا مجھے

سب ہنس رہے تھے دیکھ کے چہرہ مرا جمیل
آئینہ دوستوں کو دکھانا پڑا مجھے

سہارے ٹوٹ گئے بے کسی میں خوب ہوا !
یہ حادثہ بھی مری زندگی میں خوب ہوا

ہزار درد ملے اک خوشی کے بدلے میں
مجھے نفع تو تری دوستی میں خوب ہوا

سمجھ رہے تھے مجھے لوگ رند آوارہ !!
تمہارا نام لیا بے خودی میں خوب ہوا

حرم میں دیر میں میں نے جسے تلاش کیا
وہ مل گیا مجھے دل کی گلی میں خوب ہوا

کوئی نہیں تو در و بام ہی گواہ رہے
ہمارا قتل ہوا روشنی میں خوب ہوا !

جمیل ورنہ یہ جینا وبال ہو جاتا !
میں خود کو بھول گیا شاعری میں خوب ہوا

کوک کوئل کی جب سنی ہوگی
دل میں اک ہوک سی اٹھی ہوگی

میں جلوں چاہے جس جگہ بھی جلوں
اُس کے کمرے میں روشنی ہوگی

میری دستک پہ گھر کی تنہائی
بڑھ کے دروازہ کھولتی ہوگی

ہونٹ اس نے تو سی لئے ہونگے
میری تصویر بولتی ہوگی

دشمنی لا کے جس جگہ چھوڑے
اک قدم بڑھئے دوستی ہوگی

زندگی کی تلاش میں میں ہوں
زندگی مجھ کو ڈھونڈتی ہوگی

اُن کے حصے میں سارے مئے خانے
میرے حصے میں تشنگی ہوگی

نام سن کر جمیل کا بولے
اسکی حالت بہت بری ہوگی

میرے اندر بھی کوئی اسطرح ہلچل مچاتا ہے
کہ جیسے پر کٹے کوئی پرندہ پھڑپھڑاتا ہے

نہ جانے دیکھنا ہے اور کیا کیا چشمِ حیراں کو
نہ جانے اور کتنے رنگ یہ عالم دکھاتا ہے

محبت کا کرم ہے اُس جگہ میں آج پہنچا ہوں
جہاں سب ہوش کھو دیتے ہیں مجھ کو ہوش آتا ہے

یہ راہِ عشق و اُلفت ہے یہاں کی ریت ہے ایسی
جسے ہم یاد رکھتے ہیں وہ ہمکو بھول جاتا ہے

ہمیں تو درد و غم راس آ گئے ہیں ہم بہت خوش ہیں
وہ کوئی اور ہوں گے جن کو کوئی غم ستاتا ہے

کوئی اپنا نظر آتا نہیں ہے آج اپنوں میں
کوئی نظریں چراتا ہے کوئی دامن بچاتا ہے

اگر پتھر ہے وہ تو اے جمیل اُس سے یہ کہہ دیجے
مرا دستِ ہنر پتھر کو آئینہ بناتا ہے !!!!!!

میرے اطراف کتنی تیرگی ہے
میری آنکھوں میں لیکن روشنی ہے

مرے اوپر سکوں کی تہہ جمی ہے
مرے اندر مگر اک کھلبلی ہے

مرے کمرے میں کون آیا اُتر کر
مرے آنگن میں بکھری چاندنی ہے

نہیں وہ اور کوئی میں ہوں بھائی
جو بے گھر ہے شہر میں اجنبی ہے

مجھے لے چل کہیں بادل اُڑا کر
گھٹن ہے شہر میں آلودگی ہے

ستم سہنا اور اس پر ناز کرنا
اسی کا نام شاید عاشقی ہے

کسے پہچان کر اپنا کہو گے
یہ دنیا سر سے پا تک دورخی ہے

نہ دو اس کو خرد کا نام لوگو!
مری دیوانگی دیوانگی ہے

جمیلؔ پارسا آنکھوں میں تیری
کوئی معصوم صورت بس گئی ہے

توقیر فرشتوں کی اگر اپنی جگہ ہے
مسجودِ ملائک یہ بشر اپنی جگہ ہے

تم مہر و مروّت کی فضا لاکھ بناؤ
ہمسائے کسے ہمسائے کا ڈر اپنی جگہ ہے

رس گھولتی رہتی ہے زباں ٹھیک ہے لیکن
دزدیدہ نگاہی کا اثر اپنی جگہ ہے

اک دل کہ بہل کر بھی بہلنے نہیں پاتا
اک درد بالفاظِ دگر اپنی جگہ ہے

منزل پہ پہنچنے کی خوشی خوب ہے پھر بھی
چہرے پہ بھی گردِ سفر اپنی جگہ ہے

سوچیں بھی تھکا دیتی ہیں انسان کو اکثر
احساس کی دنیا کا سفر اپنی جگہ ہے

ڈھانا ہی اگر تھا تو جمیل اور بھی گھر تھے
معلوم تھا اللہ کا گھر اپنی جگہ ہے

جب تک غم سے چور نہیں تھا
میں اتنا مشہور نہیں تھا!!!

آپ ہی نے نزدیک نہ جانا
آپ سے میں تو دور نہیں تھا

بھولنے والے تجھ کو بھلانا
دل کو یہ منظور نہیں تھا!

دینا اپنی شان کے لائق
مالک تھا مجبور نہیں تھا!

ہاتھ بڑھا کر تھام ہی لیتے
دامن میرا دور نہیں تھا!

چمکے خواب ان آنکھوں میں بھی
آنکھیں جن میں نور نہیں تھا!

لاکھ سفر میں تھا میں پھر بھی
اپنے گھر سے دور نہیں تھا

جب تک زور تلاطم میں تھا
ساحل اتنی دور نہیں تھا

آپ جمیل اور دار و رسن تک
کیا کوئی منصور نہیں تھا!

پرتو تمہارے حسن کا ہے ماہتاب میں
خوشبو بسی ہوئی ہے تمہاری گلاب میں

احباب سے وفا کی تمنّا فضول ہے
یہ دل فریب لفظ تو ہوگا کتاب میں

بے چینیوں کی دھوپ میں دن تو گذر گیا
اب رات بھی کٹے گی فقط اضطراب میں

ہم جی رہے ہیں دیکھئے مثل حبابِ ماء
اور کتنی جان ہوتی ہے بھائی حباب میں

یوں لگ رہی ہے زندگی اس دور میں جمیل
جیسے گھری ہوئی ہو مسلسل عذاب میں

مرحلوں پر مرحلے در مرحلے اچھے لگے!!
ہم سے ملنے جو بھی آئے حادثے اچھے لگے

کب زمانے نے بسانے دیں دلوں کی بستیاں
کب زمانے کو وفا کے سلسلے اچھے لگے!!!!

ہم نے دیکھے ہیں ہزاروں راستے چل کر مگر
تیرے دل تک جانے والے راستے اچھے لگے

ایک ہم کہ ہمکو اپنی قربتیں اچھی لگیں
اور اک تم ہو کہ تم کو فاصلے اچھے لگے

میری راہوں میں وفا کی روشنی بڑھنے لگی
تیری پلکوں پر ہیں جو روشن دیئے اچھے لگے

پیار کی میٹھی کسک دل کو بڑی اچھی لگی
دل سے یادوں کے گذرتے قافلے اچھے لگے

گردش دوراں نے دیکھا تو کہا ہم سے جمیل
تم کو دیکھا ہے میاں تم تو بڑے اچھے لگے!

ذرا سی بات تھی حالات جو کشیدہ ہوئے
میں سوچتا رہا احباب کیوں کبیدہ ہوئے

کرم ہے جن پہ کرو بات ایسے لوگوں کی!!!
ہمارا کیا ہے میاں ہم ستم رسیدہ ہوئے

ہر آدمی ہمیں پڑھتا ہے اس طرح گویا
نئی کتاب ہوئے ہم نیا جریدہ ہوئے

قصور کوئی نہیں ہے بہار کا اس میں
شمیم چھوٹی چمن سے تو گل بریدہ ہوئے

اسی خیال سے ہم حالِ غم نہیں کہتے!
ہمارے ساتھ اگر تم بھی آب دیدہ ہوئے

جو لفظ سوچے مگر اُن سے کہہ سکے نہ کبھی
غزل ہوئے وہ رباعی ہوئے قصیدہ ہوئے

کسی پہ کیسے یہ الزام آئے گا کہ جمیل
ہمارے قتل کے خود ہم ہی چشم دیدہ ہوئے

اپنے لب بہرِ دُعا کیوں کھولتا کوئی نہیں
کیا کسی کے دل میں باقی مُدّعا کوئی نہیں

منزلوں کی سمت راہی دوسرا کوئی نہیں
شکر ہے راہوں میں میری نقشِ پا کوئی نہیں

سب یہاں جادو بیاں ہیں صاحبِ گفتار ہیں
سلسلہ خاموشیوں کا توڑتا کوئی نہیں

اک ذرا سی بات پر وہ بدگماں کیا ہو گئے
لوگ سمجھے جیسے دنیا میں مرا کوئی نہیں

آج ہی کی فکر میں ہے مبتلا ہر آدمی!!
کل کے بارے میں ذرا بھی سوچتا کوئی نہیں

وہ جفا پیشہ ہیں اُن کو کیا وفا سے واسطہ
ظالموں سے اِس لئے ہم کو گلہ کوئی نہیں

شہر تو پھر شہر ہے اپنی گلی میں بھی جمیل!!
مجھ سے میری شخصیت سے آشنا کوئی نہیں

حوصلے کا میرے طوفاں کو بھی اندازہ نہ تھا
سانس ٹوٹی تھی فقط میں تو ابھی ڈوبا نہ تھا

کیوں شناسائی کا دعویٰ کر رہی ہے زندگی
زندگی میں نے تجھے تو غور سے دیکھا نہ تھا

کیسے اپنے آپ کو پہچانتا میں دوستو!
پتھروں کے درمیاں تھا آئینہ دیکھا نہ تھا

آبلہ پائی یہ کہتی تھی سفر دشوار ہے
حوصلہ کو کیا کہیں گے ہم ابھی ٹوٹا نہ تھا

اب یہ تیرا ظرف تو نے تشنگی ہی بخش دی
ورنہ مے خانے میں تیرے ساقیا کیا کیا نہ تھا

کیسے بتلاتے کوئی تھا آشنا نہ آشنا!
ہر کسی کے رخ پہ پردہ تھا کہیں چہرہ نہ تھا!

مل کے بھی جیسے کسی سے مل نہ پائے ہم جمیل
خیریت پوچھی تھی اس نے حالِ دل پوچھا نہ تھا

سب ساتھی ہیں پل دو پل کے
جانا ہوگا تنہا چل کے

چارہ گروں کے روپ میں اکثر
قاتل آیا بھیس بدل کے

سائے ساتھ نہیں میرے بھی
آپ نہ آئیں دھوپ میں چل کے

دن نکلا ہے سب کہتے ہیں
دیکھ رہا ہوں آنکھیں مل کے

رونے کے آداب یہی ہیں
دل ٹکڑے ہو آنکھ نہ چھلکے

میں آوارہ اک شہزادہ
آپ ہیں باسی شیش محل کے

زخم ہمارے جتنے ہرے ہیں
اتنے ہی دلکش شعر غزل کے

نام مرا سن کر وہ بولے
ہم شیدا ہیں اس پاگل کے

خلوص پا نہ سکا اعتبار پا نہ سکا
رہِ وفا میں جو دو گام چل کے آ نہ سکا

وہ پاس آ نہ سکے میں بھی دور جا نہ سکا
وہ کر سکے نہ وفائیں جفا نبھا نہ سکا

وہ چاند دورج کا ہو پھول ہو کہ غنچہ ہو
کوئی بھی تیرے تبسم کی بات لا نہ سکا

قسم خدا کی تجھے میں نے بھولنا چاہا
مگر خدا کی قسم میں تجھے بھلا نہ سکا!

وہ حال پوچھے تو کچھ ایسے آنکھ بھر آئی
میں ضبط کر نہ سکا دردِ دل چھپا نہ سکا

فنون و فکر کی دہلیز پر جمیلؔ ہے سر
خیالِ یار مگر دل سے دور جا نہ سکا

سلوک جس نے کیا مجھ سے مہرباں کی طرح
مرے وجود کو سمجھا وہ داستاں کی طرح

قدم قدم پہ رہِ زیست میں مرا سایہ
رہا ہے ساتھ مرے گردشِ جہاں کی طرح

یہ اور بات وہ سمجھے نہیں زباں دل کی
تھی درمیان ہر اک سانس ترجماں کی طرح

جلاؤ میرا مکاں تم مگر خیال رہے
جلے نہ شہر نگاراں مرے مکاں کی طرح

نصیب دیکھئے نکلا وہ شخص ہی رہزن
جو کارواں میں رہا میرِ کارواں کی طرح

جمیلؔ بھولنے والے کو کیا خبر اس کے
گزر رہا ہے ہر اک لمحہ امتحاں کی طرح

آواز نئی رکھنا لہجہ بھی نیا رکھنا
تم طرزِ بیاں اپنا اوروں سے جدا رکھنا

وہ تم کو بلائیں گے ہے شرط فقط اتنی
ہر ایک نفس اپنا مصروفِ دعا رکھنا

دل ساتھ نہیں دیتا احباب بھی انجاں ہیں
ایسے میں کسی سے کیا اُمید وفا رکھنا

اپنا تمہیں سمجھا ہے اِس واسطے کہتا ہوں
تم میری تباہی کے اسباب چھپا رکھنا

کچھ رات ڈھلے پینے آئیگا جمیل اپنا
مئے خانہ کا در ساقی تا صبح کھلا رکھنا

خنجر کسی انساں پہ اُٹھانا نہیں آتا
گھر مجھ کو پڑوسی کا جلانا نہیں آتا

میں نقش چٹانوں پہ بنا سکتا ہوں لیکن
پانی پہ مجھے نقش بنانا نہیں آتا

لوگوں کو شکایت ہے مجھے نوکِ قلم سے
جو سچ ہے اُسے جھوٹ بنانا نہیں آتا

جو سوئے ہوئے ہیں میں جگا سکتا ہوں بھائی
جو جاگتے ہیں اُن کو جگانا نہیں آتا

جو مل کے بچھڑ جائیں ملا سکتا ہوں اُنکو
دریا کے کناروں کو ملانا نہیں آتا

آئے کوئی جو پرسشِ احوال کو جمیل
لوگوں کو مجھے زخم دکھانا نہیں آتا

شمع جب روشن ہوئی جلنے کو پروانے گئے
جذبۂ عشق و محبت کا صلہ پانے گئے

رازہائے آگہی اور رمز ہائے عاشقی
ہم سے دیوانے ہی فرزانوں کو سمجھانے گئے

خوگرِ مہر و وفا بھی کس قدر معصوم ہیں
قاتلوں کو اپنے دل کے زخم دکھلانے گئے

اہلِ دانش اور دیوانے چلے تھے ساتھ ساتھ
"جانبِ مقتل گئے تو صرف دیوانے گئے"

زندگی کے مسئلے اشعار کا موضوع بنے
آشیانہ، برق، بلبل گل کے افسانے گئے

دھوکہ دینے آئے تھے چہرے بدل کر جو خلیل
لہجہ و آواز سے وہ لوگ پہچانے گئے

وہ نہ آئے وسوسے دل میں جگہ پاتے رہے
اک گماں جاتا رہا سو سو گماں آتے رہے

وہ جفا کرتے رہے ظلم و ستم ڈھاتے رہے
ہم وفا کا عشق و الفت کا صلہ پاتے رہے

دشمنوں کو میں پیام دوستی دیتا رہا
وہ میری دیوانگی پر طنز فرماتے رہے

مجھ سے ملنے وہ نہیں آئے مجھے پرواہ نہیں
میرے خوابوں اور خیالوں میں تو وہ آتے رہے

کیا ہے مفہوم محبت، کیا ہے مفہوم وفا
کوئی سمجھے یا نہ سمجھے ہم تو سمجھاتے رہے

ہم چراغوں کی طرح جل کر شب تاریک میں
بھولے بھٹکے رہروؤں کو راہ دکھلاتے رہے

تم نے انجانے میں کھایا ہے فریب دوستی
ہم تو دانستہ فریب دوستی کھاتے رہے

دیکھئے کس شوق سے ہم درد کے مارے جمیل
سر کٹاتے قاتلوں کے شہر میں جاتے رہے

گمان و وہم کو دل سے نکال کر دیکھو
مرے خلوص کو رگ رگ میں ڈھال کر دیکھو

سنبھل گئے تو تمہارے ہی کام آئیں گے
جو لڑکھڑاتے ہیں اُن کو سنبھال کر دیکھو

ملیں گے تم کو محبت کے قیمتی گوہر
مرے وجود کے پہلو کھنگال کر دیکھو

میری طرح تمہیں جینا حرام ہو جائے
جہاں میں کام کوئی بے مثال کر دیکھو

دل جمیل تو شیشہ ہے ٹوٹ جائیگا
اگر یقین نہیں تو اچھال کر دیکھو

میں کب سے منتظر ہوں جلیں گے یہ کب چراغ!
ہے تیرگی بلا کی جلا دیجے سب چراغ!

اب کیا بتائیں شمع صفت جب سے ہو گئے
ہم بھی سلگنے لگتے ہیں جلتے ہیں جب چراغ

دیکھو ہمارے جلنے کا ہو گا کوئی سبب
جلتے نہیں جہاں میں کبھی بے سبب چراغ

راہوں کی تیرگی کا نہیں مجھ کو کوئی خوف
میری نظر میں جلتے ہیں منزل کے سب چراغ

تاریکیوں سے لڑتے رہے رات بھر مگر
ہونے کو آئی صبح ہوئے جاں بلب چراغ

فانوس الفتوں کے ہوئے اب تو ناگزیر
آندھی ہے نفرتوں کی بجھا دے گی سب چراغ

راہِ وفا میں جلتے نہیں یونہی اپنے آپ
کرتے ہیں خونِ دل یہ ہمارا طلب چراغ

امید چھوڑنا بھی مناسب نہیں. جمیل
جانے خدا جلائے مرے گھر میں کب چراغ

سمجھتے ہیں سب جمیل جسے، با کمال تھا
مخلص تھا دوستوں میں بہت بے مثال تھا

اے زندگی میں ساتھ کہاں تک ترے چلا
حالانکہ تیرا ساتھ نہایت محال تھا

دل جوئی میری کرتی رہی رات بھر حیات
شاید مری تباہی کا اسکو ملال تھا

اب آنے والا سال میرا ہوگا ہے یقیں
جو میرے ہاتھ آ نہ سکا پچھلا سال تھا

آپس میں نفرتوں کا چلن کیسے چل پڑا
مل جل کے بیٹھنا تو بہت نیک فال تھا

شادی میں اپنے لال کی خوش تھا دلہے کا باپ
دلہن کا باپ کس لیئے اتنا نڈھال تھا

اک دور ایسا گذرا غم روزگار سے
اپنی خبر تھی اور نہ تیرا خیال تھا

احساس کی صلیب تھی یا آپ تھے جمیل
احساس کی صلیب پہ جینا محال تھا

ہم کو گل کی تازگی اچھی لگی !!!!
دھوپ آنگن میں کھلی اچھی لگی

دوستوں کی دوستی کو دیکھ کر
دشمنوں کی دشمنی اچھی لگی

دھوپ میں چلنے کی عادت ہے مجھے
مجھ کو سر پر دھوپ ہی اچھی لگی

چاہے میری بے بسی پر ہی سہی
مجھ کو تیری ہر خوشی اچھی لگی

چاند آیا نور برساتا ہوا !!!!!!
گھر میں اتری چاندنی اچھی لگی

جو سرابوں کے سفر سے آئے ہیں
ان کو یہ سوکھی ندی اچھی لگی

شہر بھر کی بے رخی کو دیکھ کر
گاؤں کی وہ سادگی اچھی لگی

موت سے وحشت جمیل اپنی جگہ
زندگی بھی کون سی اچھی لگی

لٹکی ہے سر پہ خوف کی تلوار شہر میں
کیا جانے کون ہیں پسِ دیوار شہر میں

اب ہر طرح کے ملتے ہیں ہتھیار شہر میں
اور قتل و خوں کا گرم ہے بازار شہر میں

ٹھپ ہے کھلونے والوں کا بیوپار شہر میں
بچے بھی مانگنے لگے تلوار شہر میں

لائیں کہاں سے پہلا سا معیار شہر میں
اب کس کے پاس ہے میاں کردار شہر میں

شرفاء سے اب بھی خالی نہیں ہے کوئی شہر
ڈھونڈو تو مل ہی جائیں گے دو چار شہر میں

اہلِ کمال چھپ گئے روپوش ہو گئے
گدی نشین ہو گئے اشرار شہر میں

تم کو پتہ نہیں نہ سہی ہم سے پوچھئے
ہم جانتے ہیں کون ہیں غدار شہر میں

ہیں پارسا سبھی معصوم و پاک ہیں
کہتا نہیں کسی کو گنہگار شہر میں

اخلاص، اعتبار، وفا، پیار، دوستی
ہر چیز کے ملیں گے خریدار شہر میں

آلودگی، گھٹن و تعفن کا کیا کریں
اچھے بھلے بھی لگتے ہیں بیمار شہر میں

ایسے مکاں بھی ہیں کہ نہیں جن کی چھت کہیں
دروازے ہیں نہ کھڑکی و دیوار شہر میں

قلت، گرانی اور ملاوٹ کی مار نے
جینا ہی کر دیا میاں دشوار شہر میں

واپس چلو کہ گاؤں غنیمت ہیں آج بھی
کیوں آ کے ہو رہے ہو یہاں خوار شہر میں

پڑھتا نہیں خرید کے کوئی بھی اب جمیل
پھر بھی نکالتے ہو تم اخبار شہر میں

کچھ کم دیا گیا نہ تو بڑھ کر دیا گیا
غم تیرا سب کو حسبِ مقدر دیا گیا

اکثر میں جان بوجھ کے کھاتا رہا فریب
دھوکہ مجھے خلوص میں اکثر دیا گیا

شاید نواز نا تھا تیرے غم سے اسلئے
اک دل دیا گیا بھی تو چن کر دیا گیا

رکھا خدا نے دست طلب کا مرے بھرم
مجھ کو مری طلب سے بھی بڑھ کر دیا گیا

احساس درد کم ہو زیادہ ہو کچھ بھی ہو
ہر درد مرتبہ میں برابر دیا گیا

پہلے تو فرد جرم محبت پڑھی گئی
پھر ہر کسی کے ہاتھ میں پتھر دیا گیا

رکھنا اسے سنبھال کے ہے قیمتی بہت
بیٹی تجھے خرید کے شوہر دیا گیا

مجھ کو جمیل اُن کی غلامی پہ ناز ہے
جن کو خطابِ ساقیٔ کوثر دیا گیا

کیوں میرے دل کا زخم کوئی سوکھتا نہ تھا
یادوں کا تیری اب تو کہیں سلسلہ نہ تھا

قاتل سے اور قتل کے حالات سے سبھی
واقف تھے لوگ کوئی مگر بولتا نہ تھا

میری طرف ہی سب کی تھیں نظریں لگی ہوئیں
آئینہ شہر بھر میں کوئی دیکھتا نہ تھا

دل ٹوٹنے کا غم میں کروں بھی تو کیوں کروں
دل ٹوٹنا تو کوئی بڑا سانحہ نہ تھا

بے ساختہ جو آنکھ سے آنسو چھلک پڑے
کیا تم میں غم چھپانے کا بھی حوصلہ نہ تھا

تقدیر میں بچھڑنا تھا مل کر بچھڑ گئے
دونوں کے بیچ ویسے کوئی مسئلہ نہ تھا

بس اس خیال سے تجھے شرمندگی نہ ہو
اے زندگی میں تیری طرف دیکھتا نہ تھا

مجرم وفا کا پیار کا اخلاص کا جمیل
اک تھا تو میں تھا میرے سوا دوسرا نہ تھا

نہ دینا چاہیے وفا کا صلہ نہ دے مجھ کو!
تو دوست ہے تو فریبِ وفا نہ دے مجھ کو

مجھے بتائیے آخر یہ کیسے ممکن ہے؟
میں چل پڑوں تو کوئی راستہ نہ دے مجھ کو

میں اپنے آپ کو پہچاننے سے ڈرتا ہوں
خدا کے واسطے تو آئینہ نہ دے مجھ کو

جلا کے خود کو میں تاریکیوں سے لڑتا ہوں
مگر یہ ڈر بھی ہے دنیا بجھا نہ دے مجھ کو

اُس ایک غم پہ میں دنیا کو چھوڑ بیٹھا ہوں
وہ ایک غم جو کوئی فائدہ نہ دے مجھ کو!-!

ہزار پہلو سے میں زندگی کو دیکھ چکا!!!
اب اور جینے کی ہرگز دُعا نہ دے مجھ کو!

ترے حضور سزا کاٹ کر ہی آیا ہوں!-!-!
مرے خدا تو کوئی پھر سزا نہ دے مجھ کو!

میں دوستی میں کئی تجربوں سے گذرا ہوں
تو دوستی کا کبھی واسطہ نہ دے مجھ کو!

تری نظر سے گروں گا تو اُٹھ نہ پاؤں گا
جمیل اپنی نظر سے گرا نہ دے مجھ کو

روز ملتے ہیں محبت سے کرم سے پیار سے
ہم نہیں محروم اپنے یار کے دیدار سے

وقت ہی مرہم لگائے تو لگائے ورنہ پھر
زخم بھرنے سے رہے حالات کی تلوار سے

ایسا لگتا ہے گلی کوچے بھی مقتل بن گئے
خوں ٹپکتا ہے یہاں ہر سرخئ اخبار سے

کیا کریں اسکا کہ حرف حق کوئی سنتا نہ تھا
چیخنے والا بہت چیخا فرازِ دار سے

کیا یہاں سورج پہ بھی ظلمت کا قبضہ ہو گیا
پھوٹتے ہیں کیوں اندھیرے مطلعِ انوار سے

ہم تو پتھر سے پگھل کر موم ہو جاتے جناب
آپ گر آواز دیتے دوستی سے پیار سے

میرے ہاتھوں لگ گیا ہے دامنِ صبر و رضا
مجھ کو سیا لینا کسی اقرار سے انکار سے

چند یادیں عہدِ ماضی کی بھٹکتی رہ گئیں
چند تصویریں لٹکتی رہ گئیں دیوار سے

ق

آج بھی محفوظ ہیں میری بیاضِ قلب میں
چند تحریریں جو لکھی تھیں کسی نے پیار سے

المدد اے قوتِ بازوئے حیدر المدد
لڑتے لڑتے تھک نہ جاؤں وقت کی منجدھار سے

سر جھکاتا ہے جہاں پر وقت بھی آ کر جمیل
میری نسبت ہے اسی در سے اسی سرکار سے

جب اُن کی یاد آئی تو مہکا گئی مجھے
خوشبو تھی خود جو بکھری تو بکھرا گئی مجھے

آنکھوں میں آنسوؤں کو چھپائے ہوئے تھا میں
پوچھا جو تم نے حال ہنسی آ گئی مجھے

یہ اور بات ہے کہ نظارہ نہ کر سکا
تیری تلاش اوج پہ پہنچا گئی مجھے

اک لہر تھی اُٹھی تھی ڈبونے کے واسطے
وہ لہر ہی کنارے پہ پہنچا گئی مجھے

وہ تیرگی کہ خود کو میں آتا نہ تھا نظر
بجلی چمک کے آئینہ دکھلا گئی مجھے

کچھ دیر غم نے کیں مری دلداریاں جمیل
کچھ دیر اُن کی یاد بھی تڑپا گئی مجھے

کبھی گرداب اور طوفان دیتے ہیں سہارے بھی
کبھی کشتی ڈبو دیتے ہیں دریا میں کنارے بھی

سنورتی ہے جہاں تیری وفا تیری خوشی ہمدم
بھڑکتے ہیں اسی دل میں ترے غم کے شرارے بھی

زمانہ ہم سے پوچھے قدر اور قیمت اُجالوں کی
کیے ہیں ہم نے صدیوں تک اندھیروں میں گذارے بھی

ہیں تیرے شہر کے منظر یقیناً دید کے قابل
مگر کچھ کم نہیں ہیں میرے گاؤں کے نظارے بھی

اُتر جاتا ہے مجھ کو دیکھ کر چڑھتا ہوا دریا !!!
میری آواز سنتے ہی ٹھہر جاتے ہیں تارے بھی

جمیلؔ خستہ جاں کب تک کسی کی راہ دیکھو گے
سحر ہونے کو ہے اب جھلملاتے ہیں ستارے بھی

وا ہو دستک پہ میری، در کوئی !!!!
کاش میرا بھی ہو جو گھر کوئی

رازِ دل ہم اُسے بتا دیتے
مل بھی جاتا جو معتبر کوئی

کچھ مداوائے تشنگی بھی تو ہو!
کھٹکھٹائے کدے کا در کوئی

زندگی کی اُداس راہوں میں !!!!
ساتھ رہبر نہ ہم سفر کوئی

ہم جلے اور جل کے خاک ہوئے
کاش ہوتی اُنہیں خبر کوئی

جائیے آپ اپنے گھر صاحب
آپ کا ہوگا منتظر کوئی

دوستوں سے جمیل ڈرتے ہیں
دشمنوں کا نہیں ہے ڈر کوئی

میری بدنامی کا سہرا میرے سر آجائیگا
آپ کیوں وحشت زدہ ہیں آپ کا کیا جائیگا

زہر کا پیالہ فقط سقراط ہی کا حق نہ تھا
جو بھی سچ بولے گا اس کو مار ڈالا جائیگا

مجھ کو اندازہ تھا اک دن اپنے ہی گھر میں مجھے
غیر سمجھا جائیگا بیگانہ سمجھا جائیگا

جرم بھی ثابت ہوا مجرم کو بھی اقرار ہے
فیصلہ اب کیا کروگے تم یہ دیکھا جائیگا

یہ تشدد کا جو لاوا بہہ رہا ہے ہر طرف
اب نہ رک پائیگا یہ تو روز بڑھتا جائیگا

قدر و قیمت آدمیت کی بھلا دیکھے گا کون
آدمی کو تو یہاں پیسوں سے تولا جائیگا

پہلے دولت پیار کی سینوں میں بھر دی جائیگی
اور اس کے بعد دل کو غم نوازا جائیگا

پیار کی مہر و وفا کی قدر کیا ہوگی جمیل
پیار کو مہر و وفا کو کھیل سمجھا جائیگا

احسان اپنے دوست کا سر سے اُتار دے
تو اپنی زندگی بھی محبت پہ وار دے

ہلکا نہ ہوگا غم کہ مرا غم ہے مستقل
جھوٹی تسلیاں نہ مجھے غم گسار دے

صدیوں سے آرزو ہے کہ اے دوست تو مجھے
تھوڑا خلوص، تھوڑی وفا تھوڑا پیار دے

جو بات حق کی ہے وہ کہوں سب سے برملا
اتنا تو حوصلہ مرے پروردگار دے

رکھنا ہے پاس اپنی انا کا تجھے جمیل
تو چاہے اس کے واسطے دنیا بھی ہار دے

دوست ہیں آپ زمانے کو بتاتا کیسے
دوستی پر کوئی اِلزام لگاتا کیسے !-!-!

یاد تیری ہے میرے سینے میں دھڑکن کی طرح
یاد کو تیری بھلا دل سے بھُلاتا کیسے !!

جس کی راہوں میں محبت کے دیے جلتے ہیں
وہ اندھیروں کو گلے اپنے لگاتا کیسے !!

آنکھ والا کوئی مل جائے تو دیکھے ورنہ
زخمِ دل کوئی زمانے کو دکھاتا کیسے !!!!

دل کا کیا ہے میں جلا دونگا جلانے کو مگر
روشنی کیلئے میں گھر کو جلاتا کیسے !

گھر بسانے کی تمنا ہے تو بچوں کی طرح
ریت کے آج گھروندے میں بناتا کیسے

اشک آنکھوں میں اُمنڈ آئیں تو پھر کوئی جمیل
حالِ دل پوچھنے والے سے چھپاتا کیسے

یادوں کا ہے ہجوم مرے ساتھ اِن دنوں !!
تنہا نہیں رہا میں کسی رات اِن دنوں

کیجئے نہ اب کہیں بھی کوئی بات اِن دنوں
بگڑے ہوئے ہیں شہر کے حالات اِن دنوں

وہ بات جس پہ میں نے لٹا دی تھی زندگی
رہ رہ کے یاد آتی ہے وہ بات اِن دنوں

خود اپنے آپ پر جنہیں قابو نہیں رہا !!!!
کرنے چلے ہیں بس میں وہ حالات اِن دنوں

اک دور تھا کہ جیت ہمارا نصیب تھی!
سوچو کہ ہر طرف سے ہے کیوں مات اِن دنوں

تیرا ہی غم نہیں ہے غم روزگار بھی !!!-!!
ہے ہر قدم جمیل مرے ساتھ اِن دنوں

میری وفا کا دیا وقت نے صلہ مجھ کو
چڑھا کے سولی پہ اونچا بہت کیا مجھ کو

میں چاہتا ہوں مجھے لوگ آدمی سمجھیں
مگر یہ لوگ سمجھتے ہیں دیوتا مجھ کو

میں جی رہا ہوں یہاں پتھروں کی بستی میں
نظر نہ آیا کہیں کوئی آئینہ مجھ کو!!!!!

اب اس کے بعد میں اپنا وجود کھو دوں گا!
ہوائیں چاٹ رہی ہیں ذرا ذرا مجھ کو!

خلوصِ دل سے یہ عاری ہیں بے اثر ہیں سبھی
نہ دے خدا کے لیے اب کوئی دعا مجھ کو

وہ دن کہ جب میں نظر آؤں خود کو ہی لوٹا
وہ دن دکھائے نہ ہرگز کبھی خدا مجھ کو!

میں تپتی دھوپ میں صحرا کی جل رہا ہوں جمیل
کسی بھی پل نہ ملا کوئی آسرا مجھ کو!!

نقش یادوں کے مرے دل میں اُبھارا نہ کرو
تم مجھے پیار کے لہجے میں پکارا نہ کرو!

حوصلہ ہے تو بڑھو اور لڑو شعلوں سے
دور سے جلتے نشیمن کا نظارا نہ کرو

گیسوئے وقت سنوارو تو کوئی بات بھی ہے
دوستو! گیسوئے محبوب سنوارا نہ کرو!

زندگی کاٹ دو تم دھوپ میں خودداری کی
بھیک کی چھاؤں میں پل بھر بھی گزارا نہ کرو

جُھک کے ملنا تو تقاضا ہے شرافت کا جمیلؔ
دب کے ملنا کسی قیمت پہ گوارا نہ کرو

وہ دیکھو جلتا ہوا گھر دکھائی دیتا ہے
سلگتے خواب کا منظر دکھائی دیتا ہے

اماں ملے گی کسے قاتلوں کی بستی میں
ہر ایک ہاتھ میں خنجر دکھائی دیتا ہے

جو دیکھنا ہے دریچے سے جھانک کر دیکھو
یہاں سے قتل کا منظر دکھائی دیتا ہے

نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے نظروں کو
میں اسکو وہ مجھے پتھر دکھائی دیتا ہے

اک اپنی ذات ہی جچتی نہیں ہے نظروں میں
وگرنہ ہر کوئی بہتر دکھائی دیتا ہے

اب آئیگی تو بھلا کیسے نیند آئیگی
سرہانے درد کا لشکر دکھائی دیتا ہے

خوشی ادھوری ہے غم بھی ہیں تشنہ کام جمیل
عجیب اپنا مقدر دکھائی دیتا ہے

ایک گھر میں رہتے ہیں بھائی بھائی ہیں لیکن
اس کا کیا کریں اب ہم دل اگر نہیں ملتے

بیکراں فضاؤں میں دیکھ کر پرندوں کو
حوصلہ تو ملتا ہے بال و پر نہیں ملتے

راہِ عشق و الفت میں دوستوں کی محفل میں
باوفا نہیں ملتے ۔ معتبر نہیں ملتے

بے ثمر درختوں کو ہم گرا نہیں دیتے
اِن سے چھاؤں ملتی ہے پھل اگر نہیں ملتے

جھونپڑے ہی تھے لیکن کیا سکون تھا ان میں
اب تو ڈھونڈنے سے بھی ایسے گھر نہیں ملتے

کیسا دور آیا ہے کس قدر ہے تاریکی!
ہر قدم پہ رہزن ہیں راہبر نہیں ملتے

نعمتیں ترے در کی جن کو ملتی رہتی ہیں
تیرے در پہ ملتے ہیں در بدر نہیں ملتے

کون دوست، دشمن ہے آپ سوچ کر ملئے
جب جمیل ملتے ہیں سوچ کر نہیں ملتے

دل کسی اور کا اس طرح نہ ٹوٹا نہ ہوگا!
میں نے سوچا بھی نہ تھا پیار میں ایسا ہوگا!

کیا کریں پڑھ کے کتابِ غمِ اُلفت اے دوست
کسی منصور کسی قیس کا قصہ ہوگا!

ان بولتے ہوئے انسانوں سے پہلے ہمکو
ان بدلتے ہوئے حالات سے لڑنا ہوگا!!

جس لطافت سے مرے زخمِ جگر مہکے ہیں
اُس لطافت سے کوئی پھول نہ مہکا ہوگا

جس نے انگارے بچھائے مری راہوں میں جمیلؔ
وہ کوئی غیر نہ ہوگا مرا اپنا ہوگا

رُخ بدل کر رکھ دیا حالات نے تدبیر کا!
سامنے آیا مرے لکھا میری تقدیر کا!

درد سے مانوس ہو کر مانگتا ہوں یہ دُعا
سلسلہ بڑھتا ہی جائے درد کی زنجیر کا!!

مائلِ تخریب کاری برق ہے تو غم کسے
میرے دل میں موجزن ہے حوصلہ تعمیر کا

شعر لکھواتی ہے بن کر مرکزِ فکر و نظر
عکس ہے ہر شعر میرا آپ کی تصویر کا!

سن چکا ہوں کھوکھلے الفاظ کچھ اتنے جمیلؔ
اب اثر ہوتا نہیں مجھ پر کسی تقریر کا!!!

سفر کا شوق اگر ہے تو ہم سفر لے جا
تو اپنے پاؤں میں باندھے ہوئے بھنور لے جا

صحن میں اپنے لگا میری آبیاری کر!
میں سایہ دار شجر ہوں مجھے تو گھر لے جا

وفا تو جنس کی صورت میں بک رہی ہے یہاں
اگر تجھے ہے ضرورت خرید کر لے جا

میں اس صدی کا اثاثہ ہوں قیمتی ہوں بہت
مجھے سنبھال کے رکھنا ہے گر تو گھر لے جا

میں تیرے ساتھ تو چلتا ہوں بے جھجک لیکن
نے جانا مجھ کو اگر ہے تو سوچ کر لے جا

کہا ہے ڈوبتے تاروں نے مجھ سے آخر شب
اندھیری رات گذاری ہے اب سحر لے جا

جمیل شعر کے سانچے میں ڈھالنے کیلئے
نیا خیال، نئی فکر اور نظر لے جا

میری آنکھوں کی نمی لب کی ہنسی بن جائیے
درد و غم بنئے مرے میری خوشی بن جائیے

تم ہو میرے دل کی دھڑکن میری آہوں کا اثر
زندگی سمجھا ہے تم کو زندگی بن جائیے

لوگ صدیوں میں چمکتے ہیں ستاروں کی طرح
کیجئے کچھ کام ایسے خود صدی بن جائیے

ایسا دریا مت بنو لے جائے جو سب کچھ بہا
پیاس جس سے بجھ سکے ایسی ندی بن جائیے

اس سے بہتر ہے کسی کی راہ کا پتھر بنیں
آپ سے ممکن اگر ہو آدمی بن جائیے

رہ روانِ شوق کی راہوں کو چمکانے جمیل
اٹھئے سورج کی طرح اور روشنی بن جائیے

ابھی فریب کی راہوں میں گم ہیں دیوانے
بے اعتبار کی منزل کہاں خدا جانے

نہ انجمن نہ وہ ساقی نہ مئے نہ میخانے
وہ نظم بادہ کشی کیا ہوا خدا جانے

بھلا سکے تو بھلا دے تجھے قسم ہے مری
مجھے تو صدیاں لگیں گی تجھے بھلا پانے

اس انقلاب نے مایوس کر دیا بھی تو کیا
نہیں ہے دیر کوئی تازہ انقلاب آنے

مرا قلم تو حقیقت نگار ہے لوگو۔۔۔!!
یہ بات اور ہے بنتے ہیں اس کے افسانے

جمیل پیار کا غم سب غموں پہ بھاری ہے
مگر یہ بات سمجھ پائیں گے نہ فرزانے

بیٹھا نہ چین سے کبھی دم بھر عجیب تھا
دل درد غم کا ظلم کا خوگر عجیب تھا

دیواریں سنتی رہتی تھیں ہر بات ہر گھڑی
اور سن کے بول دیتا تھا وہ در عجیب تھا

کیسے ہوا تھا قتل مرا کیا بتاؤں میں
کچھ بھی رہا نہ یاد وہ منظر عجیب تھا

آتا تھا روز ملنے بڑی دور سے مگر
ملتا نہ تھا کبھی بھی وہ کھل کر عجیب تھا

سب میرے اپنے تھے پہ مجھے جانتے نہ تھے
جس گھر قیام تھا مرا وہ گھر عجیب تھا

دو بول سن کے پیار کے جھکتا تھا دل مگر
جھکتا نہ تھا کہیں بھی مرا سر عجیب تھا

اک پھول بھی نہ کھل سکا تقدیر دیکھئے
آنگن ہمارے گھر کا بھی بنجر عجیب تھا

حاصل نہ کچھ زمانے سے ہم نے کیا جمیل
تدبیر الٹی تھی یا مقدر عجیب تھا

اگر کسی سے محبت پہ گفتگو ہوگی
ترے غیاب میں کیوں تیرے روبرو ہوگی

کبھی تو آرزو بر آئے گی مرے دل کی
کبھی تو گردشِ ایّام روبرو ہوگی

مجھے تلاش کرو اپنے دل کی دھڑکن میں
مرے وجود میں کیا میری جستجو ہوگی

* مری حیات مرے دل کا خون پی پی کر
جہانِ عشق و محبت میں سُرخرو ہوگی

غموں کی، درد کی، چاہت کی یا مسرت کی
جمیلؔ دل میں کسی کی تو آرزو ہوگی

خطاؤں سے توبہ کئے جا رہے ہیں
ندامت کے آنسو پیئے جا رہے ہیں

وفا کر رہے ہیں یا جفا یہ نہ پوچھو
جو کرنا ہے اُن کو کئے جا رہے ہیں

یہ زہراب غم ہے کہ امرت ہے کیا ہے
دیا جا رہا ہے پیئے جا رہے ہیں

بھلا لے کے کیا جائے دنیا سے لوگو
یہ اپنا اثاثہ ہم لئے جا رہے ہیں

لو ٹھکرا کے ساغر کو مینا کو مئے کو!
نگاہوں سے اُن کی پیئے جا رہے ہیں

حیات دو روزہ میں رکھا ہی کیا ہے
کہ جینا ہے جب تک جئے جا رہے ہیں

جمیل حزیں آج فرصت سے بیٹھے
جو صد چاک دل ہے سیئے جا رہے ہیں

کیسا سفر کہاں کا سفر لوٹ جاؤ تم !!!
ہر موج میں چھپا ہے بھنور لوٹ جاؤ تم

تم نے ستارو ساتھ ہرا رات بھر دیا
اب پھوٹتا ہے نورِ سحر لوٹ جاؤ تم

اُمید و آرزو میں وفاؤں میں پیار میں
کرنا پڑے گا خونِ جگر لوٹ جاؤ تم

بستی میں قاتلوں کی کہاں پاؤ گے اماں
اچھا یہی ہے بھائی اگر لوٹ جاؤ تم

حسرت سے چاند تارے تمہیں دیکھنے لگے
لگ جائے نہ کسی کی نظر لوٹ جاؤ تم

اِس پر فریب شہر میں سچ کہنے سے حاصل
بہتر یہ ہے جمیل کہ گھر لوٹ جاؤ تم

تمہارا پیار تمہاری وفا جو حاصل ہے
اسی لئے تو یہ دل اب بھی تم پہ مائل ہے

تمہارا پیار مری زندگی کا سرمایہ
تمہاری یاد مری زندگی کا حاصل ہے

زمانہ جانتا ہے یہ کہ تم ہو دوست مرے
وہ کوئی اور ہی ہوگا جو میرا قاتل ہے

میری سعی ہی نہیں میری کامیابی میں
ترا خیال تری جستجو بھی شامل ہے

زمانہ کہتا ہے کہہ لے مگر یہ تم نہ کہو
مجھے خلوص میرے دوستوں کا حاصل ہے

نہ وقت بیچ میں حائل نہ گردشِ دوراں
جمیلؔ کون ہے جو اپنے بیچ حائل ہے

جس کو دنیا یہ سمجھتی ہے محبت میری
اور کیا ہوگی الگ اس سے عبادت میری

تو بھی اک روز مرے در پہ صدا دیگا ضرور
تجھ کو اے وقت کبھی ہوگی ضرورت میری

جانے کب تک یہ زمانہ مجھے ٹھکرائیگا
جانے کب تک نہ عیاں ہوگی حقیقت میری

تم ذرا پڑھ کے تو دیکھو میرے اشعار کبھی
حرف در حرف ابھر آئے گی چاہت میری

تیرا دیوانہ ہوں سودائی ہوں شیدائی ہوں
تیرے در تک مجھے لائی ہے محبت میری

ظلمت دہر میں مشعل کی طرح جلتا ہوں
ہے یقیں مجھ کو چلے گی یہ روایت میری

تیرے قربان جمیل حزیں اے اردو زباں
تیری الفت سے زمانے میں ہے شہرت میری

چاہے گا مجھ سے ملنا تو چل کر بھی آئے گا!
وہ میرا دوست ہے تو میرے گھر بھی آئے گا!

یہ دردِ محبت کا رہیگا یہ عمر بھر
الزام بے وفائی میرے سر بھی آئے گا!

ظلمت کدوں کو دہر کے دیجیے مرا پیام
ہمراہ میرے نور کا لشکر بھی آئے گا!!

محفل میں ساقیا تری تشنہ لبی لئے
آیا جو ایک بار مکرر بھی آئے گا!!!

اک وہ ہی آئیگا نہیں گھر میں مرے جمیل
ہمراہ اس کے اس کا مقدر بھی آئے گا!!

مصلحت کی چادر یہ کون اوڑھے آیا ہے
آپ غور سے دیکھیں آپ ہی کا سایہ ہے

خضرِ راہ کا احساں ہم نہیں اُٹھائیں گے
ہم کو شوقِ منزل نے راستہ دکھایا ہے

اپنا دل جلا کر ہم کہتے مطمئن سے ہیں
اور کوئی ہوگا وہ جس نے گھر جلایا ہے

آپ کیا سمجھتے ہیں دردِ دل کی عظمت کو؟
زخم جب چٹکتے ہیں تب سکون پایا ہے

کب رہا ہوں میں تنہا درد و غم کی راہوں میں
ہر قدم پہ تیرا غم میرے ساتھ آیا ہے

داستانِ غم میری سن کے تیری محفل میں
کس کی آنکھ بھر آئی کون مسکرایا ہے

اپنی اپنی محفل کی تیرگی مٹاتے کو!!!!
شمع اُس نے روشن کی ہم نے دل جلایا ہے

بارگاہ میں تیری عجز و انکساری سے
لوگ سر جھکاتے ہیں ہم نے دل جھکایا ہے

میکدے کے روز و شب کیا جمیلؔ سے پوچھیں
تشنہ کام پہنچا تھا تشنہ کام آیا ہے

کون دار تک پہنچا کون زیرِ دام آیا
میرے بعد اُلفت میں اور کون سا کام آیا

میں تو تیری محفل سے اُٹھ کے تشنہ کام آیا!
لوگ یہ سمجھتے ہیں میرے ہاتھ جام آیا

زندگی کے راہی کو موت کا پیام آیا!
رات کے مسافر کو صبح کا سلام آیا!

جب بھی تیری یاد آئی دل مہک مہک اُٹھا
جب بھی پھول کو دیکھا لب پہ تیرا نام آیا

میں نے دس قدم بڑھ کر ہاتھ اُس کے تھامے ہیں
غم نواز نے کوئی جب بھی ایک گام آیا!!

تھا جمیل عجب قصہ رابطہ دل کا اُلفت میں
نامہ بر نہیں آیا نامہ و پیام آیا

پڑ گئے تالے لبِ اظہار پر!!
زندگی لے آئی کس دیار پر!

خون چھڑکا ہے گلوں پر خار پر
حق مگر اپنا نہیں گلزار پر

دیکھتا ہے مڑ کے ہر اک راہ رو
جانے کیا تحریر ہے دیوار پر

بات دل کی میں کہوں گا برملا!
قتل کر دو یا چڑھا دو دار پر

فن کی خوبی پر نہیں جس کی نظر
طنز کرتا ہے وہی فنکار پر!!

میری آنکھیں دیکھتی ہیں یہ جمیل
چھا رہی ہے تیرگی انوار پر!

دل کو شعورِ ذات لٹانے نہیں دیتا
یعنی فریبِ آرزو کھانے نہیں دیتا

پتھر اگر بنو گے تو ٹھوکر ہی ملے گی
پتھر کو کوئی آئینہ خانے نہیں دیتا

ہر سمت اُبلتا ہے جو نفرت کا جوالا
وہ پھول محبت کے کِھلانے نہیں دیتا

یہ میری انا ہے یا مرا ظرف ہے کیا ہے
جو زخم محبت کے دکھانے نہیں دیتا

اے دوست ترا پیار، تری یاد، ترا غم
دُنیا سے تری لوٹ کے جانے نہیں دیتا

پل بھر کیلئے تجھکو بھلانے کا تصوّر
پل بھر کیلئے تجھ کو بھلانے نہیں دیتا

خود اپنی بے ثباتی کا احساس ہی جمیل
مٹی کے گھروندے بھی بنانے نہیں دیتا

وقت کا ہے یہی دستور تمہیں کیا معلوم
زخم بن جاتے ہیں ناسور تمہیں کیا معلوم

دار پر کیوں چڑھے منصور تمہیں کیا معلوم
قاضیٔ وقت تھا مجبور تمہیں کیا معلوم

تم سمجھتے ہو کہ میں دور بہت ہوں تم سے
تم میرے دل میں ہو مستور تمہیں کیا معلوم

خود کی پہچان بھی جس دور میں مشکل ٹھہرے
ہم ہیں اس دور میں مشہور تمہیں کیا معلوم

شب کی تنہائی میں جب کوئی بھی محرم نہ ملے
درد ہو جاتا ہے کافور تمہیں کیا معلوم

منصفِ وقت ہو یا شاعر و نقاد و ادیب
اہلِ قلم کے سبھی مزدور تمہیں کیا معلوم

ایک موسیٰ ہی پہ موقوف نہیں تھا اب بھی!
ایک ہلچل ہے پسِ طور تمہیں کیا معلوم

روشنی ڈھونڈتے میں شہر تک آ پہنچا
رہ گیا گاؤں بہت دور تمہیں کیا معلوم

کون آیا ہے ہمیں ساتھ لئے جانے جمیل
آ گیا چہرے پہ کیوں نور تمہیں کیا معلوم

نہ اس کا ہے مجھ پر نہ میرا زندگی پر!!!
بھروسہ نہیں ہے کسی کا کسی پر!!!!

جو ساغر بکف ہیں تری انجمن میں
وہی ہنس رہے ہیں مری تشنگی پر

مجھے اس قدر تجربے ہو رہے ہیں
میں کچھ لکھ نہ بیٹھوں کہیں دوستی پر

فریبِ غمِ دوستی دینے والے!-!-!
"ہنسی آ رہی ہے تری سادگی پر"!

تمہیں ہوشمندی کا دعویٰ مبارک
مجھے ناز ہے اپنی دیوانگی پر!-!

شناساؤں سے جس نے کھائے ہیں دھوکے
وہ کیسے بھروسہ کرے اجنبی پر

اُٹھانے کو غم دل نوازا گیا ہے
محبت بھی نازل ہوئی آدمی پر!

اندھیروں پہ اب مرثیئے لکھنا کیسا
قصیدے سنو اب نئی روشنی پر!

جمیلؔ حزیں تم بھی اپنے پہ ہنس لو
سبھی ہنس رہے ہیں کسی نہ کسی پر

اگر سمجھتے نہیں اپنا تم حبیب مجھے
خدا کے واسطے سمجھو نہ پھر رقیب مجھے

وفا پرستی کا الزام جب سے آیا ہے
ہر ایک سمت نظر آتے ہیں صلیب مجھے

میں بند مٹھی کا اپنی بھرم نبھاتا ہوں
کوئی بھی شخص سمجھتا نہیں غریب مجھے

بلندیوں پہ نگاہیں جمائے بیٹھا ہوں
دکھائی دیتا نہیں اب کوئی قریب مجھے

جمیل صرف محبت کا ذکر ہی کیا ہے
ہر ایک درد زمانے کا ہے نصیب مجھے

یہ بات جانتے ہیں سب میرے وطن والے
یہاں تو خار ہی کیا گل بھی ہیں چبھن والے

پھر انقلاب کے آثار آ رہے ہیں نظر
پھر انقلاب سے گذریں گے اس وطن والے

بنامِ فصلِ بہاراں خزاں مسلط ہے
مگر یہ بات سمجھتے نہیں چمن والے

وہاں تو وقت کے ماتھے پہ تیوریاں ہیں مگر
یہاں سکون سے بیٹھے ہیں انجمن والے

ترا خیال ہی لفظوں میں ڈھل کے شعر بنا
ترے خیال سے غافل تھے کب سخن والے

کہ جتنا چاہے لہو چوسئے دُلہے والو!
زباں سے اُف نہ کریں گے کبھی دُلہن والے

تمہارے لہجے کا یہ بانکپن بتاتا ہے
جمیل تم ہو میاں واقعی دکن والے

گھر میں بیٹھے ہو تو باہر کی طرف مت دیکھو
گھر سے نکلے ہو تو پھر گھر کی طرف مت دیکھو

زندہ رہنا ہے تو گھبراؤ نہ پھر مرنے سے
سر کٹانا ہے تو خنجر کی طرف مت دیکھو

جیتنا ہے تمہیں حالات کی یورش سے اگر
مُڑ کے ہارے ہوئے لشکر کی طرف دیکھو

اپنی نظروں کو لگائے رکھو منزل کی طرف
راستے کے کسی پتھر کی طرف مت دیکھو

خود تراشو نئے پیکر نئے اصنام جمیل
کسی مُورت کسی آذر کی طرف مت دیکھو

اب جرسِ چُپ ہے کارواں چُپ ہے
منزلوں تک کا ہر اک نشاں چُپ ہے

اک طرف خون، اک طرف خنجر
وقت دونوں کے درمیاں چُپ ہے

کچھ کہی ان کہی نہیں کہتا !-!-!
بات کیا ہے کہ رازداں چُپ ہے

کیا یہاں غم جلا نہیں کرتے
شامِ غم کس لئے یہاں چُپ ہے

وہ مرا حال سن کے کیوں آخر
مثلِ اُمیدِ عزیزاں چُپ ہے

دیکھ کر کس کی شوخیٔ رفتار!
برق ساکت ہے آسماں چُپ ہے

یوں ہی اک چھیڑ ہے میری اُن سے
اُن کو مقصودِ امتحاں چُپ ہے

بچے چپ چاپ سُن رہے ہیں اُنہیں
باپ خاموش ہے نہ ماں چُپ ہے

موت صدیوں سے چیختی ہے جمیل
زیست لمحوں کے درمیاں چُپ ہے

دولت کے آگے سورما سالار بک گئے
تلوار رکھ کے صاحبِ تلوار بک گئے

سب ہی تو راہِ عشق میں بکتے نہیں جناب
دو چار ہی کو بکنا تھا دو چار بک گئے

کم ظرف تیرے بکنے کا مجھ کو نہیں ہے غم
غم ہے تو یہ کہ صاحبِ کردار بک گئے

فن کو کسی نے پوچھا نہیں بھائی اسلئے
مجبور ہو کے آج سے فنکار بک گئے

روکا انا نے بکنے سے ہم کو مگر جمیل
بکنا تھا جن کو وہ سرِ بازار بک گئے

جب کبھی وہ چاہتے بُرا کرنا بُرا کرتے رہے
جس قدر ہم سے ہوا ہے ہم بھلا کرتے رہے

اس طرح جیتے رہے دنیا میں تیری اے خدا
زندگی بھر بندگی کا حق ادا کرتے رہے

گر نہیں آئے دعاؤں میں اثر تو کیا کریں
ہم دعا کرتے تو روز و شب دعا کرتے رہے

رات سوتے تھے تری یادوں کی چادر اوڑھ کر
یاد تجھ کو دن نکلتے ہی کیا کرتے رہے

کیا کریں اسکا کہ دل سے دل کبھی ملتے نہ تھے
رسم ملنے کی نبھانی تھی ملا کرتے رہے

تیری محفل میں اُجالا ہو یہی منظور تھا
شمع جب جب بجھ گئی ہم خود جلا کرتے رہے

اِس لئے بھی گاؤں میں عزت ہماری ہے جمیل
ہم پرائے غم کو اپنا غم کہا کرتے رہے

کون کہتا ہے محبت ہر کسی کے ساتھ ہے
تیرے غم کے ساتھ ہے تیری خوشی کے ساتھ ہے

درد و غم کرب و بلا آنسو تمنا جستجو
زندگی کی ہر امانت زندگی کے ساتھ ہے

آگہی کے ساتھ تھے اب تک تو کیا حاصل ہوا
ساتھ اس کے ہو لیے جو بے خودی کے ساتھ ہے

المیہ ہے یہ بھی میری زندگی کا دوستو
میں کسی کے ساتھ ہوں اور دل کسی کے ساتھ ہے

کون تیرے غم میں روئے گا جمیل تشنہ کام
ہر کسی کا اپنا رونا ہر کسی کے ساتھ ہے

المیہ



کوئی تو آئے گا
مجھ کو سمیٹے گا اور مجھ کو بند کر دے گا
میرے ہی خول کے اندر

مری سانسیں جو میرے اپنے اندر سے نکلتی ہیں
مجھے بھی ساتھ لے جاتی ہیں باہر
ہواؤں اور خلاؤں میں
گلی کے موڑ پر
چوراہے کے چاروں ہی راستوں پر
بکھر جاتا ہوں میں ہر سمت
کھو جاتا ہوں راہوں میں
میں خالی خواب ہو جاتا ہوں باقی کچھ نہیں رہتا
یہی ہے المیہ میرا

کوئی تو آئے گا
مجھ کو سمیٹے گا اور مجھ کو بند کر دے گا
میرے ہی خول کے اندر

میں اپنے آپ میں گھٹ کر کہیں مر تو نہ جاؤں گا
یہی تو سوچ رہتی ہے مجھے اکثر
سمٹنے کا عمل بہتر ہے یا میرے بکھرنے کا
ذرا تم بھی تو سوچو

سمندر اور میں

میں نے دیکھا ہے سمندر کو سمندر بن کر
وہ میرے من کی طرح اُجلا نظر آیا ہے
فکر و احساس سے بھی گہرا نظر آیا ہے
میرے سینے کی طرح چوڑا نظر آیا ہے
میرے جذبوں کی طرح اچھا نظر آیا ہے

اُس کے سینے میں کئی راز چھپے دیکھے ہیں
اُس کے ہونٹوں پہ بھی ایک گیت ہے ہلکا ہلکا
اُس کی آنکھوں میں بہت نور بہت تیزی ہے
اُس نے بھی دیکھا ہے میری ہی طرح دنیا کو
میں بھی چپ چاپ ہوں اور وہ بھی تو کچھ کہتا نہیں
اس کے بھی پاؤں میرے پاؤں سے ہیں تھکتے نہیں
ہر طرف گھومتے رہتے ہیں بھٹکتے ہی نہیں
میں نے دیکھا ہے سمندر کو سمندر بن کر

تم اگر دیکھو سمندر کو سمندر ہو جاؤ
اس کے جذبوں کی کسک تم کو دکھائی دے گی
دل دھڑکنے کی صدا تم کو سنائی دے گی
اُس کے ہونٹوں کا ترنم بھی سنائی دے گا
اس کے سینے کا تلاطم بھی دکھائی دے گا
اور تم خود کو سمندر سا وسیع پاؤ گے

میں نے دیکھا ہے سمندر کو سمندر بن کر
مجھ میں اب کتنی ہے گہرائی تمہیں کیا معلوم
میرے جذبے بھی سمندر کی طرح ہیں معصوم
ایسا لگتا ہے کہ ہم دونوں الگ ہیں ہی نہیں
بحرِ بے پایاں اگر وہ ہے تو میرا یہ شرف
وسعتِ کون و مکاں میرے بھی افکار میں ہے
اور وہ میری طرح آدمی بے چارہ ہے

میں نے دیکھا ہے سمندر کو سمندر بن کر

تمہارے نام

بہت حسین ہے سورج
تمہارے عارض سا
شفق کے رنگ میں نکھرا ہوا
کنارے شام کے
یہ لیٹنے کو آیا ہے
حسین گود میں موجوں کی
مسکراتا ہوا
ہوا کے ساز پہ ہولے سے گنگناتا ہوا

بہت حسین ہے سمندر
تمہاری باہوں سا
بپھرتی موجیں
ہواؤں سے جیسے لڑتی ہیں
کنارے آ کے جو یوں اپنا سر پٹکتی ہیں

میں چاہتا ہوں
سمندر بنوں میں بکھرا ہوا
مری بھی گود میں
موجیں اُٹھیں بپھرتی ہوئی
مری بھی گود میں سورج کوئی سما جائے

بہت حسین ہے سمندر
بہت حسین ہے سورج
بہت حسین ہے شام
یہ شام نکھری ہوئی

یہ شعلہ شعلہ سمندر
یہ موج موج شفق
یہ سب تمہارے نام

✯ ✯ ✯

شریکِ زندگی سے خطاب

اے شریکِ زندگی تجھ کو خبر مطلق نہیں
تیرے گھر کی چار دیواری کے باہر کی زمیں

حادثوں کا اور طوفانوں کا گہوارہ ہے یہ
جو مسلسل محوِ گردش ہے وہ سیارہ ہے یہ

اِس جگہ ہر آدمی ہے اپنے مطلب کا غلام
اِس جگہ نیلام ہوتی ہے محبت صبح و شام

اس جگہ پینے کو ملتا ہی نہیں جامِ وفا
اس جگہ رسماً لیا کرتے ہیں سب نامِ وفا

اس جگہ ہے نام لیوا جستجوئے روزگار
اس جگہ سنتا نہیں کوئی غریبوں کی پکار

اس جگہ ہیں راحتیں سرمایہ داروں کیلئے
ہر مصیبت وقف ہے قسمت کے ماروں کیلئے

اس جگہ مجبوریوں کا نام لینا جرم ہے
اس جگہ گرتے ہوؤں کو تھام لینا جرم ہے

اس جگہ ہوتا ہے خوں انصاف کا ایمان کا!
اس جگہ انسان پیتے ہیں لہو انسان کا

اپنا خوں اپنا پسینہ بانٹتا ہوں اس جگہ
دن کی گھڑیاں اس طرح میں کاٹتا ہوں اس جگہ

اے شریک زندگی تجھ کو خبر مطلق نہیں
اس جگہ ہے راہ کا ہر ایک ذرہ آتشیں
اس خراب آباد میں چین و سکوں ممکن نہیں

تمہارے ہجر میں...

خیال و فکر کی دنیا پہ چھا چکے ہو تم
تخیلات کو رنگیں بنا چکے ہو تم
مری ہر ایک نفس میں سما چکے ہو تم

تمہارا حسن ہے جو ذہن و دل پہ چھایا ہے
تمہارے ہجر میں ہر غم نے سر اٹھایا ہے

کتابی چہرے کی رنگت گلاب جیسی ہے
جھکی سی آنکھوں میں مستی شراب جیسی ہے
حیا میں دیکھئے شوخی حجاب جیسی ہے

تمہارے پیار نے شاعر مجھے بنایا ہے
تمہارے ہجر میں ہر غم نے سر اٹھایا ہے

سکون قلب ہو تم میری آرزو تم ہو
شعور ہوش ہو تم میری جستجو تم ہو
نگاہِ عشق و محبت کی آبرو تم ہو

سلیقہ جینے کا تم نے مجھے سکھایا ہے
تمہارے ہجر میں ہر غم نے سر اٹھایا ہے

فضائے شوق میں جلوے لُٹانے آجاؤ
وفا کا پیار کا پرچم اُڑانے آجاؤ
مرے گماں کو حقیقت بنانے آجاؤ

تمہاری یاد میں مُنہ کو کلیجہ آیا ہے
سلیقہ جینے کا تم نے مجھے سکھایا ہے
تمہارے پیار نے شاعر مجھے بنایا ہے
تمہارے ہجر میں ہر غم نے سر اُٹھایا ہے

کھوج

میں اپنے آپ میں اُلجھا ہوا ہوں برسوں سے
حصارِ ذات سے باہر
بہت اندھیرا ہے
سمٹ گیا تو بنا اپنے آپ کا قیدی
بکھر گیا تو اندھیروں سے واسطہ ہے مرا
اندھیری کھائی میں ہیں ناگ سر اُٹھائے ہوئے
ستم کی جیر کی لمبی زباں نکالے ہوئے
حصارِ ذات کے اندر بھی
اک گھٹن سی ہے
حصار! جس کو کوئی توڑ بھی نہیں سکتا
حصارِ ذات کے اندر بھی
اس کے باہر بھی
رہی ہے مجھ کو خود اپنی ہی آگہی کی تلاش
سزا یہ کیسی ہے
آخر کو کیا ہے میرا گناہ
مرے لیے نہیں جیسے کہیں بھی جائے اماں

ثلاثیاں

مجھ پہ رحمت کی اک نظر کر دے
میرے دل کی اندھیری کھائی میں
چاند سورج کی روشنی بھر دے

●

مجھ کو خود سے قریب رکھ یا رب
جتنی چاہے نواز دے دولت
دل کا لیکن غریب رکھ یا رب

●

دامن آرزو میرا بھر دے
آج میں چاہتا ہوں خوش ہونا
میرے اللہ مجھکو خوش کر دے

●

ثلاثیاں

میرے ہاتھوں میں آئینہ دینا
جھوٹ کہنا مجھے نہیں آتا
سچ کہوں اتنا حوصلہ دینا

آزمائش عتاب بس مولا !!!
زندگی گر اسی کو کہتے ہیں
زندگی کا عذاب بس مولا

میرے ہاتھوں میں جب ایاغ چلے
کس قدر روشنی تھی آنکھوں میں
دل میں یادوں کے جب چراغ جلے

ثلاثیاں

تیز اتنا دماغ مت رکھنا
رات باہر اگر بتانی ہے
گھر میں جلتا چراغ مت رکھنا

•

روشنی کھوجنے میں چلا ہوں مگر
کیا کروں گا میں لے کے نئی روشنی
جس کی خاطر جلے ہیں ہزاروں کے گھر

•

مت کرو شور دغل مت کرو ہاؤ ہو
ایک تم ہی نہیں تیز خنجر تلے
وقت کی مار ہے ہر طرف کو بہ کو

•

ثلاثیاں

میں نے قسطوں میں زندگی جی ہے
تشنگی کا بھرم بھی رکھنا تھا
خالی بوتل نچوڑ کر پی ہے

•••

میں ہی ایسا ہوں دل میں ترے صاف دیکھ لے
اک پل بھی تجھ سے دور نہ جاؤں گا میں کبھی
جب میری یاد آئے تو اطراف دیکھ لے

•••

جانے کیا دیکھا ہے مجھ میں ڈر رہی ہے زندگی
غار میں تاریکیوں کے قید رکھ کے عمر بھر
روشنی کی بات کیسے کر رہی ہے زندگی

•••

ثلاثیاں

اِس قدر بھی ٹوٹنا اچھا نہیں
زندگی تو جنگ کا میدان ہے
زندگی سے بھاگنا اچھا نہیں

زندہ رہنا بھی کیا ثواب نہیں
زندگی کے عذاب سے بڑھ کر
میرے مولا کوئی عذاب نہیں

چائے کی محتاج ہے نہ پان کی
دوستی کی اور کیا تعریف ہو
اک دکاں ہے کانچ کے سامان کی

ثلاثیاں

دھوپ صدیوں کی اور پیاس ہی پیاس
ماں کا آنچل رہا نہ جب سر پر!
کون دے گا دُعائیں کس کی آس!



ہر کرن آفتاب ہو جاتی
تم اگر زندگی میں آجاتے
زندگی کامیاب ہو جاتی



یہ یقیناً ہے عشق کا جادُو
وہ نہیں پاس میرے پھر بھی جمیل
میری سانسوں میں ہے وہی خوشبو



ثلاثیاں

آگ میں جیسے جل رہا ہو کوئی
ایسے جلتا ہوں تیری دنیا میں
دھوپ میں جیسے چل رہا ہو کوئی

کیسے کیسے تو آزماتا ہے
تیری دنیا ہی جب جہنّم ہے
پھر جہنم سے کیوں ڈراتا ہے

کیا بتاؤں دلِ خراب کی بات
زندگی خواب میں گذاری ہے
پوچھتے ہیں وہ مجھ سے خواب کی بات

ثلاثیاں

تمہیں لاش مل جائے گی اب زمیں پر
مگر تم کو قاتل کہیں نہ ملے گا
کہیں نہ ملے گا لہو آستیں پر

ہاتھ میں کیا ہے اس کے کیا دے گی
اس کو اتنا نہ سر چڑھاؤ جمیل
دیکھو دنیا ہے یہ دغا دے گی

ہوش بھی ہیں قابو میں دل بھی دسترس میں ہے
تجھ کو یاد رکھنا بھی تجھ کو بھول جانا بھی
کل بھی میرے بس میں تھا اب بھی میرے بس میں ہے

ثلاثیاں

خود کو تصویرِ غم بنا بیٹھے!
اک غمِ روزگار کیا کم تھا
روگ دل کو نیا لگا بیٹھے

کیا کہوں کیسے جی رہا ہے جمیل
تشنگی حد سے بڑھ گئی ہوگی
زہر کے جام پی رہا ہے جمیل

ہاتھ اپنے ایاغ لگ جاتا
سب اندھیرے دھواں ہوتے
روشنی کا سراغ لگ جاتا